جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

اپریل ۱۹۹۵ء

ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۳ | ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ ۔ اپریل ۱۹۹۵ء | شمارہ : ۷

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے . . . . سالانہ	۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ... "	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش . . . . . . "	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ . . . . "	۱۶ ڈالر
برطانیہ . . . . "	۱۷ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ..... سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ .... ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ...۵۴۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۹۰۵۲

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ــ ۳
درسِ حدیث ــــــــــ حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحؒ ــــ ۵
سیرۃِ مُبارکہ ــــــــ حضرت اقدس مولانا سیّد محمدؒ میاں رحؒ ــــ ۹
جمعہ کی حقیقت اور فضیلت ــــــ حضرت مولانا قاری محمدؒ طیبؒ ــــ ۲۰
عرق میں غرق جبینوں کو دیکھکر رو دیا (نظم) ــ جناب سیّد امین گیلانی ــــ ۲۸
حیاتِ مُسلم کی ایک جھلک ــــ حضرت اقدس مولانا سیّد محمدؒ میاں ــــ ۲۹
فقہ حنفی اور اسکی خصوصیات و اوّلیات ــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ــــ ۳۷
دارالافتاء ــــــ مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ــــ ۵۰
اخبار الجامعہ ــــــ جناب محمد عابد صاحب ــــ ۵۶
تقریظ و تنقید ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ ۵۸

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد۔یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! اس وقت پُورے عالمِ اسلام کو جس ذلّت و رسوائی کا سامنا ہے اس کی اصل وجہ اللہ ربّ العزّت کے دیے ہُوئے نظامِ بے مثال کو پسِ پشت ڈالنے کے ساتھ ساتھ کفّار کی تقلید و پیروی کو قابلِ فخر کارنامہ سمجھنا ہے۔ یہ فکری انحطاط ہر خاص وعام کے دِل و دماغ میں اس درجہ رچ بس گیا ہے کہ اس کے بالمقابل کسی بھی مستقیم الطبع انسان کو معاشر کی حقیر شے تصوّر کیا جانے لگا ہے۔ اُن کی نصیحت و خیر خواہی کی تضحیک کی جاتی ہے۔ وطنِ عزیز بھی موجودہ دَور میں اس قسم کے بدترین حالات سے دوچار ہے بالخصوص کراچی اور اس کے بعد لاہور میں پاکستان کے سب سے بڑے شہر میں دہشت گردی نے ایسا ڈیرا ڈالا ہے کہ شریف انسان کے لیے زمین تنگ ہو کر رہ گئی ہے مساجد میں بم دھماکے نمازیوں کا قتلِ عام ایک معمول کی چیز ہو گئی ہے۔ امن و آشتی عنقا ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ دین و مذہب کے دُشمن اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے آخری حدود پھلانگنا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان کی وزیرِ اعظم بے نظیر بھٹو مذہب دوست طبقہ سے اس درجہ بیزار نظر آتی ہیں کہ انتہا پسند مُسلمانوں کے خلاف اُن کو امریکہ سے مدد حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے جس کا برملا اظہار اُنھوں نے وائس آف امریکہ کو گزشتہ دنوں اپنے انٹرویو میں کیا جو پاکستان کے ۲۲ مارچ کے قومی جرائد میں بھی شائع ہُوا مگر اُنہیں معلوم نہیں کہ وہ جتنا امریکہ اور مغرب کی قربت و امداد چاہیں گی اتنا ہی اللہ کی مدد اور نُصرت اُن سے دُور ہوتی چلی جائے گی۔ اللہ

کے دُشمنوں سے دوستی اور اُس کے دوستوں سے عداوت اُن کو سابقہ حکمرانوں کی طرح بہت مہنگی پڑے گی۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ (پ۱۲ ع۱۰)

ترجمہ: اور مت جھکو اُن کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

اسلام کے لیے جان نثاری اور اس کے شعائر کو دل و جان سے عزیز جاننا کسی بھی مسلمان کے لیے ایسا سرمایہ ہیں کہ اس پر اس کا فخر کرنا بجا ہے۔ قرآن و حدیث میں ایسے لوگوں کے لیے جگہ جگہ بشارتیں وارد ہوئی ہیں۔ ایسے ہی بندوں کے لیے "راشدین" "خیرِ اُمّت" کے القابات و اعزازات کا اعلان اللہ پاک بار بار فرما رہے ہیں ایسے لوگوں کو انتہا پسند کہنا اور اللہ و رسول کے دُشمن یہود و نصاریٰ کو اُن کے خلاف مدد کے لیے پکارنا اعلانِ شاہی سے بغاوت اور اُس کے غضب کو دعوت دینا ہے

نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (مشکوٰۃ ص۳۰ ج۱)

تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کی خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہوں۔

لہٰذا اس گئے گزرے دَور میں دین پر چلنے والے اللہ کے نیک بندوں کو انتہا پسند گرداننا اُن کے ساتھ تو بے انصافی ہے ہی اس سے بڑھ کر خود اپنے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے۔ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ جس نے میرے دوست سے جھگڑا مول لیا میرا اُس سے اعلانِ جنگ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور روح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

[illegible] کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ [illegible] "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است خم و خمخانہ با مہر و نشان است

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ حَنِیْفَۃَ یُقَالُ لَہٗ ثُمَامَۃُ ابْنُ اُثَالٍ سَیِّدُ اَھْلِ الْیَمَامَۃِ فَرَبَطُوْہُ بِسَارِیَۃٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَۃُ فَقَالَ عِنْدِیْ یَا مُحَمَّدُ خَیْرٌ اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ وَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْہُ مَا شِئْتَ فَتَرَکَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی کَانَ الْغَدُ فَقَالَ لَہٗ مَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَۃُ فَقَالَ عِنْدِیْ مَا قُلْتُ لَکَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ وَاِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْہُ مَا شِئْتَ[1] الحدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب گھڑسواروں کا ایک دستہ روانہ فرمایا یہ لوگ بنوحنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ کر لے آئے اُسے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۴۳

ثمامہ بن اُثال کہا جاتا تھا اور یہ اہلِ یمامہ کا سردار تھا، اسے لاکر مسجدِ نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اُدھر گزر ہوا تو آپ نے ثمامہ سے پُوچھا کہ کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اے محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) میری رائے خیر ہی خیر ہے، اگر تو آپ مجھے قتل کرتے ہیں تو ٹھیک ہے ایک خُونی شخص کو قتل کرتے ہیں اور اگر انعام فرماتے ہیں (یعنی چھوڑ دیتے ہیں) تو ایک شُکر گزار شخص پر انعام فرماتے ہیں، اور اگر آپ مال لینا چاہیں تو مانگیئے جتنا مال آپ چاہیں گے اتنا دے دیا جائے گا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اسی حال پر چھوڑا اور چل دیے، دوسرے دن آپ نے اس سے پھر یہی سوال کیا، اس نے کہا کہ میری اَب بھی وہی رائے ہے جو مَیں عرض کرچکا ہوں اگر انعام فرمائیں گے تو ایک شُکر گزار شخص پر انعام فرمائیں گے اور اگر قتل کریں گے تو ایک خُونی شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال لینا چاہیں تو مانگیئے جتنا مال آپ چاہیں گے اُتنا دے دیا جائے گا۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک گھُڑ سوار صحابہؓ کرام کا دستہ بھیجا، وہ جس کام گئے تھے اُس میں کامیاب ہُوئے لیکن ایک چیز اور ذکر کی گئی ہے اس کے علاوہ کہ وہ ایک شخص کو پکڑ لائے وہ بنی حنیفہ کا آدمی تھا اُس کا نام تھا ثُمَامَۃُ بن اُثَال ــــــ یہ معمولی آدمی نہیں تھا، بلکہ سَیِّدُ آلِ الْیَمَامَۃِ سردار تھا یمامہ والوں کا، کسی طرح موقع مل گیا یہ ان کے ہاتھ لگ گیا اور اِس کو پکڑ کے وہ لے آئے، لا کے قید کر دیا اور قید جو کیا ہے وہ بھی الگ قید خانہ بنا ہُوا نہیں تھا اس وقت تک، مسجد میں باندھ دیا ستون سے۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے اِن سے باتیں کیں، پُوچھا کیا رائے ہے تمہاری، کیا حال ہے تمہارا، اُنھوں نے کہا عِنْدِیْ یَا مُحَمَّدُ خَیْرٌ۔ میرے پاس کوئی بُرائی نہیں ہے ٹھیک ہی بات ہے بہتری ہے، پر وہ ایک جملہ کہتا تھا۔ ہر ملاقات پر جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ملے ہیں تو اُس نے یہ جملہ استعمال کیا ہے اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ اگر آپ مجھے ماریں گے تو بڑے قیمتی خُون کے آدمی کو ماریں گے کیونکہ سردار تھے اور اگر انعام کریں گے یعنی نہ ماریں گے تو پھر یہ ہے کہ مَیں شُکر گزار رہوں گا۔ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ۔ اگر آپ

محمّد، تیسری صُورت یہ ہے کہ آپ روپیہ لے لیں اور چھوڑ دیں۔ وَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْہُ مَا شِئْتَ جو آپ کو چاہیے وہ میں مہیّا کروں گا۔ جتنا آپ چاہیں میرا "فِداء" آزاد کرنے کا، چھوڑنے کا بدلہ وہ میں دُوں گا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ باتیں سُنیں اور تشریف لے گئے اگلے دِن پھر اسی طرح سے گُفتگو ہُوئی پھر اُس نے یہی جواب دیا، پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُسے اُسی حال پر چھوڑے رکھا۔ یعنی قید ہی میں، تیسرے دِن پھر دریافت کیا پھر اُس نے یہی جواب دیا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اَطْلِقُوْا ثُمَامَۃَ اِن کو چھوڑ دو ایسے ہی یعنی اِن سے نہ کچھ لیا جائے نہ اُنھیں جان سے مارا جائے۔ بلکہ اُنہیں چھوڑ دیا جائے یہ رائے ہُوئی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی، وہ چلے گئے قریب میں کھجور کا باغ تھا اس میں پانی بھی تھا وہاں غُسل کیا مسجد میں آئے اور پھر مُسلمان ہوگئے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ان سے بعد میں لوگوں نے پُوچھا تھا کہ جب تم نے مُسلمان ہونا تھا تو اسی وقت کیوں نہیں ہوگئے تو اُنھوں نے کہا کہ میں اس لیے مُسلمان نہیں ہُوا تھا کہ لوگ یہ کہتے کہ ڈر میں مُسلمان ہوگیا بعد میں آیا ہُوں اور اپنی خوشی سے آیا ہُوں تو اب یہ بات کوئی نہیں کہنے کا۔

اور وہ عرض کرنے لگے کہ دُنیا میں مجھے (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں کہتے ہیں کہ) یہ سب سے زیادہ مبغوض تھے، ناپسند تھے، ان سے مجھے عداوت تھی، خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے وہ کہہ رہے ہیں لیکن اب مجھے سب سے زیادہ آپ محبوب ہیں۔

اور کوئی دین اتنا ناپسند اور مبغوض نہیں تھا جتنا آپ کا دین مگر اب سب سے زیادہ محبوب آپ کا دین ہے۔

اور کوئی جگہ کوئی شہر اس سے زیادہ بُرا نہیں لگتا تھا جتنا آپ کا شہر مگر یہ سب سے زیادہ مجھے اب محبوب ہے تو پہلے تو لڑتے رہے ہیں اُن کی جنگ چھڑی ہُوئی تھی۔ جنگ کی حالت میں ہی گرفتاریاں ہُوا کرتی ہیں اسلام میں، ویسے نہیں، زبردستی نہیں کوئی گرفتار کرسکتا کسی کو، بلکہ بہت سخت سزا آئی ہے، نہایت عذاب آیا ہے، اگر کوئی کسی کو ویسے ہی پکڑ کے غلام بنالے تو یہ ٹھیک نہیں اس کا بہت بڑا عذاب آیا ہے اور اُس زمانے میں لڑائی میں ایک دوسرے کو قید کرلیتے تھے اور گرفتار کرنے کے بعد غلام بنالیتے تھے۔ بیچ دیتے تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔

تو بات یہ ہے کہ اتنے دنوں اُنھوں نے دیکھا مسجد میں کہ مُسلمان آتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، خُدا کی یاد کرتے ہیں آپس میں محبّت ہے تعلّق ہے سچ بولتے ہیں اور کوئی تفاوت ان میں نہیں ہے۔ بڑے چھوٹے سب برابر ہیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے معاملات اور انصاف، معاملات اور عبادات دونوں چیزیں سامنے آگئیں۔ اس کی وجہ سے طبیعت میں یہ انقلاب آیا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شاید یہی حکمت ہو اس میں، ہونا تو وہ تھا جو اللہ کی طرف سے قلب مُبارک میں ڈالا جانا، مگر اس میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ ایک دن نہیں بلکہ دو دن بلکہ تین دن اتنی گویا غذا اُنھیں پہنچنی چاہیے کہ اُن کے دِل سے نفرت ہٹ جائے اور ساری چیزیں ٹھیک ہو جائیں اور جو شکوک اور شُبہات ہیں وہ ختم ہو جائیں، پھر وہ کہنے لگے وَ اِنَّ خَیْلَکَ اَخَذَتْنِیْ وَ اَنَا اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ۔

آپ کے یہ جو گھڑسوار ہیں جو مجھے گرفتار کر کے لائے ہیں تو اُنھوں نے جب پکڑا مجھے تو میں عمرے کے لیے روانہ ہو رہا تھا، تو مجھے بتلائیے کہ کیا کروں میں اَب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِن کو بشارت دی اچھے کلمات ان کے لیے استعمال فرمائیے اور یہ فرمایا جاؤ عمرہ کر لو، اب یہ گئے عمرے کے لیے تو اس وقت تک تو مکّہ فتح نہیں ہُوا تھا۔ یہ اپنے علاقے کے زور پر چلے گئے کیونکہ یہ اپنے علاقے کے سردار تھے لوگوں نے کہا، ایک بولنے لگا۔ اَصَبَوْتَ ؟

آپ اپنے دین سے نکل گئے ؟ کیونکہ اُن کا جو پُرانا (دین) تھا وہ بُت پرستی کا تھا۔ وہ چھوڑ دی تو اُنھوں نے کہا کہ دین سے نکل گئے ؟ قَالَ لَا۔ اُنھوں نے کہا کہ دین سے نہیں نکلا بلکہ اسلام میں داخل ہو گیا وَ لٰکِنِّیْ اَسْلَمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور پھر اُنھوں نے ایک دباؤ بھی دیا سیاسی اور دینی قوّت کا کہنے لگے کہ وَلَا وَاللہِ لَا یَاْتِیْکُمْ مِّنَ الْیَمَامَۃِ حَبَّۃُ حِنْطَۃٍ

اَب تمہارے پاس ایک دانہ بھی گیہوں کا وہاں سے نہیں آئے گا ہمارے علاقے میں سے حتّٰی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اجازت دیں، وہ اجازت دیں گے تو ہم بھیجیں گے تمہیں، ورنہ تمہارے پاس گیہوں بھی نہیں سپلائی کیا کریں گے، اور کسی اور کے ہاتھ بیچ دیں گے۔ گویا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت ذہن نشین کرائی تاکہ آگے کو گستاخی اُن کے ذہن سے نکلے اور اپنی جو بڑائی اور تکبّر ہے اس کو زک پہنچے۔ اس میں کمی آئے، اس بناء پر اُنھوں نے یہ جملہ بھی کہہ دیا ساتھ ہی کہ تم یہ سمجھو اب کہ وہ علاقہ جو ہے وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہو گیا تاکہ یہ سوچیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ

(بقیہ بر صفحہ ۲۷)

(قسط: ۳۱)

خُطبات و عمومی ارشادات

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؒ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
"سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

مسجد مدینہ مسجد النبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام

قبا سے مدینہ تشریف آوری ہوئی تو جس جگہ ناقہ بیٹھا تھا، وہی جگہ مسجد کے لیے منتخب کی گئی۔

یہ جگہ ایک میدان کے کنارہ پر تھی۔ قبیلہ بنی نجار کے حضرات یہاں نماز[1] پڑھا کرتے تھے۔ زمین کے مالک یہاں کھجوریں بھی سکھا لیا کرتے تھے۔ میدان کے باقی حصّہ میں کھجور کے درخت کھڑے تھے۔ کچھ پُرانی قبریں اور کچھ مکانوں کے کھنڈر تھے۔ ایک طرف کچھ نشیب تھا وہاں پانی بھر جاتا تھا۔ اس خرابہ کی قسمت جاگی۔ سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسی کو مسجد کے لیے منتخب فرمایا۔ یہ طول و عرض میں سو سو گز سے کچھ[2] زائد تھا۔

سہل اور سہیل کے والد رافع بن ابی عمرو کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت اسعد بن زرارہ اُن کے مُربّی تھے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ میدان ان ہی یتیموں کا تھا۔ اُنھوں نے چاہا کہ بلا کسی معاوضہ کے مسجد کے لیے پیش کر دیں مگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اس[3] طرح کی پیش کش بڑے آدمیوں سے بھی منظور نہیں

---

[1] حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے یہاں ایک دیوار بیت المقدس کے رُخ پر بنا دی تھی یہیں جمعہ کی نماز بھی پڑھایا کرتے تھے۔ سایہ کی کوئی چیز دیوار پر نہیں تھی۔ ابن سعد ص: ۲، ج: ۲، ہماری اصطلاح میں ایسی مسجد کو قناتی مسجد کہتے ہیں عید گاہیں عموماً ایسی ہی ہوتی ہیں۔

[2] ابن سعد ص: ۲، ج: ۲، [3] یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کوئی ضرورت ظاہر فرماتے اس پر بطور ہدیہ وہ چیز آپ کو پیش کی جاتی تو بطورِ ہدیہ اس کو منظور نہیں فرماتے تھے بلکہ قیمت ادا فرماتے تھے، جیسے مکّہ معظّمہ سے روانگی کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا کرتے تھے۔ یتیم بچوں سے کیسے منظور فرما لیتے، آپ کے اصرار کرنے پر یہ مالک ہبہ کرنے کے بجائے فروخت کرنے پر راضی ہوئے۔ دس دینار قیمت تجویز کی گئی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ قیمت ادا کر کے زمین مسجد کے لیے وقف کر دی[1]۔ (رضی اللہ عنہم)

زمین ہموار کی گئی۔ پانی سینچ دیا گیا۔ قبروں سے ہڈیاں نکلیں ان کو الگ دبا دیا گیا۔ درخت کٹوائے گئے۔ بُنیاد کھودی گئی۔ تعمیر شروع ہوئی۔ یہاں بھی صحابہ کرام ہی مزدور تھے۔ وہ ہی معمار سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر کے شریک تھے۔

عجیب و غریب پُر تقدس جذبہ سے کام ہو رہا تھا۔ پتھر اُٹھائے جاتے تو یہ رجز پڑھا جاتا تھا۔

هذا الحمال لاحمال خيبر　　هذا ابرّ ربّنا واطهر

خیبر (جو کھجوروں کی منڈی ہے وہاں سے بھی بوجھ اُٹھایا جاتا ہے اور لادا جاتا ہے یہ بوجھ اُس جیسا نہیں ہے (بلکہ) اے ہمارے رَب تو جانتا ہے یہ اُس سے بہت اچھا نیکی والا اور بہت پاکیزہ ہے۔

کبھی یہ رجز پڑھا جاتا اور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مُبارک بھی ساتھ ساتھ ترنم فرما ہوتی تھی[2]۔

اللّٰهمّ[3] لا خير الّا خير الاٰخرة　　فانصر الانصار والمُهاجرة

کبھی اس میں یہ ترمیم فرما لیتے

اللّٰهمّ[4] انّ الاجر اجر الاٰخرة　　فارحم الانصار والمهاجرة

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک ناقہ پیش کیا تو آپ نے قیمتاً منظور فرمایا۔ البتہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب کے کوئی ہدیہ پیش کیا جاتا تو اس کو منظور فرما لیتے تھے۔

[1] ابن سعد ص: ۲، ج: ۲، غزوۂ خیبر کے بعد جب مسجد بڑھائی گئی تو اس کے لیے جو زمین خریدی گئی تھی اس کی قیمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ادا فرمائی۔ ترمذی شریف مناقب عثمان ص۲۰۹، ج: ۲، مگر اب زمین کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی اس ٹکڑے کی قیمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار اور ایک روایت ہے کہ پچیس ہزار ادا کی ہے۔ وفاء الوفاء ص۲۴۱ [2] بخاری شریف ص: ۵۵۵ و ابن سعد ص: ۲، ج: ۲، [3] اے اللہ صرف آخرت کی بھلائی ہی بھلائی ہے۔ پس مدد فرما انصار کی اور مہاجرین کی [4] اے اللہ حقیقت یہ ہے کہ آخرت کا اجر ہی اجر ہے۔ جو مقصود و مطلوب ہونا چاہیے۔ پس رحم فرما انصار اور مہاجرین پر۔

یہ مسجد اگرچہ دوسری ہے، مگر اس لحاظ سے اوّلیت اُس کو ہی حاصل ہے کہ جو آبادی مستقل قیام کے لیے طے فرمائی گئی اس میں پہلی مسجد یہی ہے۔ اس بناء پر حسبِ ارشاد رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ کا اصل مصداق یہی ہے۔ کیونکہ قبا صرف نزول گاہ تھا اور جو مستقل قیام گاہ اور قبۃ الاسلام تھا وہ یہی مقام ہے جہاں ناقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن پھیلا دی تھی اور جہاں تبع یمن[1] نے سینکڑوں سال پہلے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نزول گاہ تعمیر کر دیا تھا بس مسجد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اوّلیت قیام گاہ مستقل کی اوّلیت[2] ہے اور مسجد قبا کی اوّلیت عارضی قیام گاہ کی اوّلیت۔ عارضی اور مستقل میں جو فرق ہونا چاہیے۔ وہ یہاں بھی کارفرما ہے۔

تعمیر اس وقت بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی جاتی تھی۔ لہٰذا قبلہ اسی طرف یعنی شمال کی جانب رکھا گیا۔ اس طرف کی دیوار ستّر ہاتھ لانبی بنائی گئی دوسری جانب ساٹھ ہاتھ۔[3]

---

[1] تبع بن الاقرن، یمن کا بادشاہ تھا۔ اُس کی اولاد میں جو بادشاہ ہوئے اُن کو تبع ہی کہا گیا۔ انہی میں سے ایک تبع ایک فوجی مہم کے سلسلہ میں "یثرب" بھی پہنچا۔ وہ یہاں قتل عام کر کے اس آبادی کو ختم کرنا چاہتا تھا کہ اہلِ علم نے اس کو خبر دی کہ "نبی آخر الزمان" کا یہ دار الہجرۃ ہوگا۔ وہ متأثر ہوا۔ برباد کرنے کے ارادہ کو ملتوی کیا اور یہاں ایک مکان تعمیر کرا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائیں تو یہاں قیام فرمائیں اور ایک تحریر بھی لکھ کر دے دی جو نسلاً بعد نسلٍ محفوظ رہی اور حضرت ایّوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس تبع کا نام اَسْعَد تھا۔ کنیت ابوکرب۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں دو شعر بھی کہے تھے

شهدت على احمد انه   رسول من الله بارى النسم

فلو مد عمرى الى عمره   لكنت وزيرًا له وابن عم

ترجمہ: مَیں شہادت دیتا ہوں کہ احمد اس خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہوں گے جو جانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میری عُمر اُن کے زمانہ تک دراز ہو گئی تو مَیں اُن کا وزیر بھی ہوں گا (سلسلہ نسب کے لحاظ سے) ابن عم بھی۔

معارف ابن قتیبہ ص۲۱۱ و وفاء الوفا ص: ۱۳۴، ج:۱

[2] ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آغاز کے لحاظ سے اگرچہ مسجد قبا اوّل ہے کہ اسکی تعمیر پہلے شروع ہوئی لیکن تکمیل کے لحاظ سے مسجد مدینہ مقدم ہے۔ ملاحظہ ہو۔ وفاء الوفاء ص۱۷۹، ج:۱۔ [3] یعنی جنوب اور شمال کی دیواریں ستر ستر ہاتھ اور مشرق و مغرب کی دیواریں ساٹھ ساٹھ ہاتھ۔ وفاء الوفا ص۲۳۸ ج۱ و ص۱۴۳ ج۱ ایک ہاتھ دو بالشت (وفاء الوفا ص۲۴۲ ج۱) آنحضرت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بُنیادیں پتھروں سے بھری گئیں۔ تین ہاتھ کی اُونچائی تک دیواریں بھی اسی پتھر سے چنی گئیں۔ ان کے اُوپر کچی اینٹوں[۱] کی تعمیر کی گئی۔ البتہ دروازوں کے بازو پتھروں کے رہے[۲]۔ ساٹھ ہاتھ (تیس گز) چوڑی چھت کے سہارے کے لیے بیچ میں کھمبے (ستون) کھڑے کیے تین تین کھمبوں کی دو لائنیں ایک طرف (شرقی جانب میں) اور دو لائنیں غربی جانب میں دونوں لائنوں کے بیچ کا حصّہ وسیع رکھا گیا[۳]۔ میدان میں سے جو کھجور کاٹے گئے تھے ان کے کھمبے اگلی لائن میں لگائے گئے جو قبلہ کی جانب[۴] تھی۔ چھت میں نیچے بلّیاں رکھ کر اُن کے اُوپر کھجور کے پٹھے (شاخیں جن پر پتے ہوتے ہیں) پتّوں سمیت بچھا دیے گئے۔ ان کے اُوپر ہلکی ہلکی مٹی پھیلادی گئی۔ اور چھپر[۵] کی طرح ڈھلوان رکھی گئی، مگر پھر بھی بارش ہوتی تو ٹپکتی تھی۔ نیچے پختہ فرش نہیں تھا صرف ہموار زمین تھی۔ پانی ٹپکتا تو کیچ ہوجاتی تھی[۶]۔ اسی لیے کچھ دنوں بعد چھت پر مٹی زیادہ کر دی گئی اور فرش پر بھی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دورِ مسعود ہی میں غزوۂ خیبر کے بعد مسجد میں توسیع فرمائی تو طول و عرض تقریباً سو سو ہاتھ ہوگیا اور عمارت مربّع ہوگئی (وفاء الوفاء ص۲۴۳ ج۱ و ص۲۵۱ ج۱ و ص۲۵۳ ج۱) اور اس توسیع کے لیے زمین کی ضرورت تھی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک اعلان فرمایا کہ کوئی بندۂ خدا اس زمین کو خریدتا ہے اس معاوضہ پر کہ اس کو جنّت میں اس سے اچھا مکان ملے گا۔ یہ سعادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حصّہ میں آئی اور انھوں نے فوراً اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ چنانچہ اس کی قیمت دس ہزار اور ایک روایت کے بموجب پچیس ہزار اپنے پاس سے ادا کی۔ (ترمذی شریف ص۲۱۱ ج۲ وفاء الوفاء ص۲۴۱ ج۱)

[۱] طبقات ابن سعد ص۲ ج۲ [۲] بخاری شریف ص:۶۱ وفاء الوفاء ص:۲۳۳ [۳] وفاء الوفاء ص۲۳۸ ج۱ ص۲۵۲ ج۱ ص۲۴۸ ج۱ ، [۴] بخاری شریف ص۶۱ وفاء ص۲۳۳ ج۱ [۵] وفاء الوفاء ص۲۴۲ ج۱ اس عمارت کے لیے کوئی چندہ نہیں کیا گیا۔ حضرات صحابہ نے پیش کرنا چاہا اور درخواست کی کہ باقاعدہ چھت ڈلوا دی جائے۔ فرمایا نہیں۔ عریش کعریش موسٰی خشیبات و ثمام والشان اعجل۔ یعنی موسٰی علیہ السّلام کے چھپر کی طرح (یہ چھت ہوگی) کہ نیچے لکڑیاں (بلیاں) اُن کے اُوپر پھونس (پھر فرمایا) انسان کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ عجلت لیے ہوئے (نازک ہے) ابن سعد ص۲ ج۲ و وفاء الوفاء ص۲۴۲ ج۱ [۶] عن ابن شھاب کانت سواری المسجد فی عھد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جزوعًا من جزوع النخل وکان سقفہ جریدًا۔ وخوصًا لیس علی السّقف کثیر طین اذا کان المطر امتلأ المسجد طینًا انما ھن کھیئۃ العریش۔ (وفاء ص۲۴۲ وابن سعد ص۲ ج۲) آنحضرت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کنکریاں بچھا دی گئیں[1] چھت کی اُونچائی سات[2] ہاتھ (ساڑھے تین گز یعنی ۱۰½ فٹ)

تین طرف دروازے رکھے گئے۔ قبلہ کی طرف کوئی دروازہ نہیں تھا۔ جنوب اور مشرق و مغرب کی جانب دروازے تھے[3] کچھ دنوں بعد جب بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا (جو مدینہ سے جنوب کی جانب ہے۔) تو اس طرف کی دیوار کا دروازہ بند کر دیا گیا اور جانب شمال کی دیوار جو پہلے دیوار قبلہ تھی اسطرف دروازہ کھول دیا گیا[4]۔ اور اسی دیوار[5] سے متصل وہ سائبان بنا دیا گیا جو صُفّہ کہلاتا تھا۔ جو ان صحابہ کا مسکن تھا۔ جن کے اہل وعیال نہیں ہوتے تھے اور تعلیم، روحانی تربیت نیز رضا کارانہ خدمات کی غرض سے یہاں رہا کرتے تھے۔ معاش کے لیے دن کو لکڑیاں چن لیتے تھے، مگر رات کی تاریکی میں تلاوتِ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک سال شب قدر کے متعلق فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اس وقت بادل کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر دفعۃً رات کو بارش ہوئی تو واقعی صُبح کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرنا پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشانی مبارک پر بھی مٹی لگی ہوئی تھی۔ بخاری شریف ص ۲۷ وفاء الوفاء ص ۲۴۲۔

۱؎ وفاء الوفاء ص ۴۷۲ ج ۱ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے دورِ خلافت میں مسجد کی تعمیر کرائی تو فرش باقاعدہ کنکریوں کا کرا دیا۔ وفاء ص ۴۷۳ ج ۱ ۲؎ وفاء الوفاء ص ۲۳۹ ج ۱ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ اونچائی صرف پانچ ہاتھ تھی یعنی ڈھائی گز۔ اسکی تائید حسن بصری رحمہ اللہ کے قول سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عریش موسیٰ (موسیٰ علیہ السلام کے چھپر) کی بلندی اتنی تھی کہ اگر کھڑے ہوکر ہاتھ اُونچا کرتے تو چھپر کو لگ جاتا تھا۔ وفاء ص ۲۴۳ مگر بظاہر سات ہاتھ والی روایت زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مرتبہ تعلیم کی غرض سے منبر پر کھڑے ہوکر نماز پڑھی تھی (بخاری شریف ص ۵۵ و ص ۱۲۵) صرف پانچ ہاتھ کی بلندی پر اس طرح نماز پڑھنا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ اسی مسجد میں کھجور کے گچھے (خوشے) بھی اصحاب صفہ کے لیے لٹکا دیئے جاتے تھے (بخاری شریف ص ۶۰ و فتح الباری و نسائی قولہ عزوجل ولا تیمموا الخبیث منہ ص ۳۴۵ مجتبائی) اس سے بھی سات ہاتھ کی بلندی کی تائید ہوتی ہے۔ باقی عریش موسیٰ کی تشبیہ کا مقصد یہ ہے کہ چھت عام قاعدہ کے مطابق نہیں تھی بہت نیچی تھی اور حقیقت یہی ہے کہ اتنے طویل وعریض ہال کے لیے سات ہاتھ کی چھت بہت نیچی مانی جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب)

۳؎ وفاء الوفاء ص ۲۴۰ ج ۱ و ابن سعد ص ۲ ج ۲ ۴؎ ایضاً وفا ص ۲۴۰ ج ۱ ۵؎ وفاء الوفاء ص ۲۶۲ ج ۱ ان حضرات کو مسجد ہی میں سونے کی اجازت تھی۔ ابن سعد ص: ۱۳، ج ۲، و بخاری ص: ۶۳۔

قرآن اور نوافل کے قندیل روشن رکھتے تھے[1]

ابتداء میں منبر نہیں تھا تو ایک ستون کی برابر میں[2] مٹی کی چوکی (چبوتری) بنا دی گئی تھی۔ آقاء دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر رونق افروز ہو کر خطاب فرمایا کرتے تھے اور ستون پر سہارا لگایا کرتے تھے۔[3]

---

[1] بخاری شریف ص۵۸۶ [2] منبر من طین۔ وفاء الوفاء ص۲۸۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں بلا امتیاز کے تشریف فرما ہوتے تھے کوئی اجنبی آتا تو اس کو معلوم نہ ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں تو ہم نے چاہا کہ آپ کے لیے ایک نشست کی جگہ بنا دیں کہ کوئی اجنبی بھی آئے تو اُسے معلوم ہو جائے لہٰذا ہم نے ایک دکان (چبوترہ) بنا دیا مٹی کا آپ اس پر تشریف رکھا کرتے تھے۔ فتح الباری ص۹۵ تحت قولہ بارزا فی حدیث جبرائیل باب سوال جبریل)

[3] ایک خاتون نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا غلام بڑھئی (نجار) ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے ایسی چیز بنوا دوں جس پر آپ آرام سے تشریف رکھیں۔ پیچھے تکیہ بھی لگا لیں اور خطاب کے وقت زحمت نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرضداشت پر کوئی التفات نہیں فرمایا، لیکن جب مجمع زیادہ ہونے لگا تو حضرات صحابہ نے بھی محسوس کیا کہ اس طرح خطاب فرمانے میں زحمت ہوتی ہے تو کوئی ایسی چیز بنوا دی جائے کہ آپ اس پر تکیہ بھی لگا سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کا مشورہ منظور فرمایا (وفاء الوفاء ص۲۷۸ ج۱) تو اسی خاتون سے فرمائش کی (بخاری ص۶۴ و ص۱۲۵) چنانچہ جنگل سے جو غابہ کے نام سے مشہور تھا۔ جھاؤ کی لکڑی لائی گئی اور یہ چیز بنوائی گئی جس کو منبر کہا گیا۔ جس کے کُل تین درجے تھے۔ یعنی دو سیڑھیاں جو ایک ایک بالشت گہری تھیں۔ تیسرا حصہ جس سے پیٹھ لگائی جا سکتی تھی۔ دو بالشت تھا۔ اس طرح کل طول چار بالشت تھا (دو ہاتھ) اور چوڑائی میں سوا دو بالشت۔ (وفاء الوفاء ص۱۸۴ ج۱) اس منبر کو دیوار قبلہ سے کچھ ہٹا کر رکھا گیا کہ دیوار اور منبر کے درمیان سے بکری گزر سکتی تھی (بخاری ص۷۱) یعنی ایک ہاتھ سے کچھ زائد کہ آدمی بھی آڑا ہو کر نکل سکتا تھا (وفاء الوفاء ص۲۹ ج۱) اس طرح منبر کے کنارے سے لے کر دیوار تک تقریباً سوا تین ہاتھ (ڈیڑھ گز) کا فاصلہ ہوتا تھا۔ یہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔ یعنی آپ کے مصلے شریف کا طول تقریباً سوا تین ہاتھ تھا (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے اندر نفلیں پڑھی تھیں تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ آپ سامنے کی دیوار سے تقریباً تین ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑے ہوئے تھے۔ وفاء الوفا ص۲۱۷ ج۱ و بخاری شریف ص۷۲ چنانچہ علماء نے یہی مستحب قرار دیا ہے کہ سُترہ یا دیوار۔ اور نمازی کے قدموں کے درمیان صرف اتنا ہی فاصلہ رہنا چاہیے کہ سجدہ ہو سکے۔ ابوداؤد شریف باب الدنو من السترۃ یعنی تقریباً ڈیڑھ گز)

گریۂ حنانہ

وہ کھجور کا تنہ (کھمبا) جس کی برابر مٹی کی چبوتری پر تشریف فرما ہو کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم خطاب فرمایا کرتے تھے۔ سیّد الانبیاء محبوبِ ربّ العالمین (تعالیٰ شانہ) نے جب اس سے الگ منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب فرمایا۔ اور اس وجہ سے وہ کھمبا آپ کے پُر تقدس قرب اور ذکر اللہ کی رُوح پرور و جان بخش آواز سے محروم ہو گیا تو قدرت کے ایک عجیب و غریب کرشمہ نے اہلِ ایمان کے ایمان کو تازہ اور عقل پرستوں کے توہمات کو حیرت زدہ کر دیا۔

حضرات صحابہ نے اسی بے حس و حرکت اور بے جان سُوکھے کھمبے سے ایک رقت انگیز آواز سُنی جس سے کلیجہ پھٹا جاتا تھا (بخاری ص ۲۸۱) کچھ ایسی آواز تھی جیسے اُونٹنی اپنے بچّہ کی یاد میں بلبلاتی ہے (بخاری ص ۵۰۶) رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ستون کا یہ درد انگیز گریہ سُنا تو منبر سے اُتر کر کھمبے کے پاس تشریف لائے اس پر دستِ مُبارک رکھا، تب یہ کھمبا بچّوں کی طرح ہچکیاں لیتا ہُوا آہستہ آہستہ خاموش ہُوا (بخاری ص ۲۸۱ و ص ۱۲۵) رحمتِ عالم جانِ جہاں نے اس سوختہ دِل فراق زدہ کی مزید دلداری فرماتے ہُوتے فرمایا۔ کیا چاہتے ہو؟ اس مسجد میں اسی جگہ تم پھل دار ہو جاؤ یا جنّت کا حصّہ چاہتے ہو جہاں تمہارا پھل اہلِ جنّت تناول کریں۔ اس نے دارِ بقا کو دارِ فنا پر ترجیح دی۔ گویا اس بے زبان نے زبانِ درد سے عرض کیا۔ انّ الدّار الاخرۃ ھی خیر و ابقٰی۔ چنانچہ اس کھمبہ کو مسجد کے فرش خام میں منبر کے قریب اس جگہ دبا دیا گیا جس کے متعلق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔ مابین منبری وقبری روض من ریاض الجنۃ۔

(ماخوذ از وفاء الوفاء ص: ۱۷۶، وخصائص الکبرٰی باب حنین الجذع، ص: ۷۵، ج: ۲)

حجرات اُمّہات المومنین

مسجد کی تعمیر سے فراغت ہُوئی تو مسجد سے متصل ہی ازواجِ مطہرات کے لیے مکان بنوائے۔ اس وقت تک حضرت سودہ اور حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہما نکاح میں آچکی تھیں۔ اس لیے دو ہی حجرے بنوائے۔ جب اور ازواجِ مطہرات آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔[۱]

مسجد سے متصل حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی جائداد تھی ہر ایک مکان کے لیے وہی اپنی جائداد کا ٹکڑا

---

[۱] وفاء الوفاء ص: ۳۲۵، ج: ۱۔

پیش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام جائداد محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نذر کر دی[1] مسجد کی طرح چار حجرے بھی کچی اینٹوں کے تھے۔ اُوپر کھجور کے پٹھوں اور پتوں کی چھت چھوٹے سے صحن کے گرد کھجور کی کھپچیوں (پٹھوں) کی دیواریں جن پر مٹی لھیس[2] دی گئی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کا ایک کواڑ[3] تھا باقی کے دروازوں پر ٹٹیاں تھیں۔ پانچ حجرے ایسے بنائے گئے کہ ان میں کچی اینٹیں بھی نہیں لگائی گئیں، بلکہ ٹٹیاں کھڑی کر کے اُن پر مٹی لھیس دی گئی اور اُوپر کھجور کے پٹھوں اور پتوں کی ہلکی سی چھت ڈال دی گئی۔ اُن کے دروازوں پر نہ ٹٹیاں تھیں نہ کواڑ۔ بلکہ ٹاٹ یا کمبل کے پردے پڑے رہتے تھے جو طول میں تین ہاتھ اور عرض میں ایک ہاتھ سے کچھ زائد[4] تھے۔ چھتیں ایسی نیچی کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دَور تھا جب مَیں ذرا بڑا ہو گیا تھا مَیں ان حجروں میں جاتا تو کھڑے ہو کر ان حجروں کی چھتوں کو ہاتھ لگا لیا کرتا[5] تھا۔ رات کو گھروں میں چراغ جلانے کا رواج[6] نہیں تھا۔ لہٰذا ان حجروں میں رات کو صرف نورِ حق کی روشنی رہتی تھی۔

۸۷ھ میں اموی خلیفہ ولید[7] بن عبدالملک نے مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی توسیع کی

---

[1] وفاء الوفاء ص: ۳۲۰، ج:۱، روایت میں منزل کا لفظ ہے کانت لحارثۃ بن نعمان منازل قرب المسجد (کہ حضرت حارثہ کے مکانات مسجد کے قریب تھے اور جب ضرورت پیش آتی تو حضرت حارثہ ایک مکان نذر کر دیا کرتے تھے) مگر چونکہ یہ بھی ثابت ہے کہ ہر ایک زوجہ کے لیے حجرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوایا تو منزل سے مراد منزل کی جگہ ہوگی بنا بنایا مکان مراد نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2] کانت بیوتًا من لبن و لھا حجر من جرید مطرورۃ بالطین ابن سعد ص ۱۸۱ الجزء الاوّل من القسم الثانی طبقات ابن سعد۔

[3] عرعر یا سال کی لکڑی کا۔ وفاء الوفاء ص: ۳۲۵، ج ۱

[4] طبقات الجزء الاوّل من القسم الثانی ص: ۱۸۱ [5] ایضًا طبقات ص ۱۸۲ ج ۱ [6] بخاری شریف ص: ۵۶، ج:۱۔

[7] متوفی ۹۶ھ ظالم خلیفہ مانا گیا ہے مگر ابن ابی عیلہ کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ولید پر رحم فرمائے اس کے کچھ کارنامے بہت شاندار ہیں۔ مثلاً مسجد نبوی کی توسیع نیز جامع دمشق کی تعمیر۔ اسی کے زمانہ میں اندلس (اسپین) فتح ہوا۔ نیز ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا، چنانچہ دیبل (موجودہ کراچی) اسی کے زمانہ میں فتح ہوا۔ مجھے وہ چاندی کے بادیئے دیا کرتا تھا کہ میں بیت المقدس کے فقیروں میں جا کر تقسیم کر دوں (تاریخ الخلفاء ص: ۱۵۶)

تو ان مُبارک حجروں کو مسجد میں شامل کر لیا۔[1]

ابو امامہ حضرت سہل بن حنیف رضؓ فرمایا کرتے تھے کاش ان حجروں کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا تاکہ لوگ دیکھتے کہ جس نبی کے دستِ مُبارک پر تمام خزانوں کی کنجیاں رکھ دی گئی تھیں اس نے خود اپنے لیے کیا پسند کیا تھا۔[2]

صُفّہ و اصحابِ صُفّہ

پہلے گزر چکا ہے کہ تبدیلی قبلہ کے بعد نماز جنوب کی جانب رُخ کر کے پڑھی جانے لگی تو اس طرف کی دیوار میں جو دروازہ تھا وہ بند کر دیا گیا اور پہلی دیوارِ قبلہ (شمالی دیوار) میں دروازہ کھول دیا گیا۔ اس سے متصل چبوترہ بنا دیا گیا اور اس پر سائبان ڈال دیا گیا۔ اسی کو صُفّہ کہا[3] جاتا تھا۔ نادار مُسلمان جن کے اہل و عیال نہیں ہوتے تھے اُن کا مسکن یہی ہوتا تھا۔ توکّل ان کا سرمایہ ہوتا تھا۔ سوال کرنا ممنوع[4]۔ تعلیم، روحانی تربیت اور رضا کارانہ خدمات اُن کے فرائض اور مشاغل ہوتے تھے۔

---

[1] ان جھونپڑیوں اور چھپّروں کے تنکوں کو اہلِ مدینہ رگِ جان سمجھتے تھے۔ جب ولید کا حکم پہنچا کہ ان کو مسجد میں شامل کیا جائے تو اہلِ مدینہ بیتاب ہوگئے اور کچھ اس طرح تڑپ کر روئے کہ کبھی کسی کو اس طرح روتے ہُوئے نہیں دیکھا گیا تھا نہ کبھی اتنے زیادہ لوگوں کو روتے ہُوئے دیکھا تھا۔ (ابنِ سعد ص: ۱۸۱، ج: ۲ و وفا ص: ۳۲۷، ج: ۱)، [2] ابن سعد ص: ۱۸۱، ج: ۲ و وفاء الوفاء ص: ۳۲۷، ج: ۱، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر تابعین نے اسی جذبہ کا اظہار فرمایا۔ [3] قال عیاض الصفة بضم الصاد و تشدید الفاء ظلّة فی مؤخر مسجد النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم یاوی الیھا المساکین۔ وفاء الوفاء ص: ۳۲۱، ج: ۱، [4] اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضؓ ایک دلچسپ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں بھُوک کی وجہ سے اپنے جگر کو زمین پر ٹیک دیا کرتا تھا۔ (پیٹ کو زمین سے چمٹا دیا کرتا تھا) اور میں بھُوک کی وجہ سے پتھر پیٹ پر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک روز سرِ راہ جا کر بیٹھ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے (سوال کرنا ممنوع تھا تو میں نے ایک لطیف طریقہ اختیار کیا کہ) ایک آیت دریافت کر لی (کہ جب میری طرف متوجّہ ہوں تو شاید میرے فاقہ کا بھی اُن کو اندازہ ہو جائے اور) مجھے لے جا کر کھانا کھلا دیں مگر حضرت ابوبکر رضؓ نے وہ آیت بتا دی اور تشریف لے گئے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ستّر اصحاب صُفّہ کو دیکھا کہ اُن کے پاس چادر تک نہ تھی فقط تہ بند تھا یا صرف کمبل جس کو اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے۔ کمبل بھی اس قدر چھوٹا کہ کسی کی آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا تھا کسی کے ٹخنوں تک نماز میں ستر کھلنے کا خطرہ رہتا تھا تو ہاتھ سے تھامے رکھتے تھے[1]

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس کھانے کی چیز صدقہ میں آتی تو اُن کو دے دیتے۔ خود تناول نہیں فرماتے تھے، کیونکہ صدقہ آپ کے لیے حرام تھا جو چیز بطور ہدیہ آتی تو اُن کو بلا لیتے اور اُنکے ساتھ بیٹھ کر کھاتے[2]

یہ حضرات فاقہ سے نہیں گھبراتے تھے۔ کیونکہ خود اپنے آقا (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو دیکھتے کہ کئی کئی وقت گزر جاتے اور فاقہ نہیں ٹوٹتا۔ بھوک سے کبھی اتنا ضعف ہوجاتا کہ نماز کی حالت میں گر پڑتے۔ لوگوں کو خیال ہوتا کہ دورہ پڑ گیا ہے۔ حالانکہ دورہ فاقہ کا ہوتا تھا[3]

کبھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کو انصار پر تقسیم فرما دیتے کہ اپنے مقدور کے بموجب ہر شخص

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تشریف لائے۔ مَیں نے اُن سے بھی آیت دریافت کی۔ حضرت عمرؓ نے بھی آیت بتادی اور روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد وہ آئے جن کی کنیت ابوالقاسم تھی (جن کی شان ہی یہ تھی کہ وہ خیر و برکت کے قاسم (تقسیم کرنے والے) فطرتِ انسان کے نبض شناس تھے) آپ نے جیسے ہی نظر ڈالی آپ پہچان گئے۔ مجھ سے فرمایا ساتھ آؤ۔ مَیں ساتھ ہولیا۔ آپ مکان پر تشریف لے گئے وہاں ایک قدح (بادیہ) میں دُودھ رکھا ہُوا تھا۔ جو کسی نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ابوہریرہ اصحابِ صفّہ کو بلاؤ۔ آپ کا یہ حکم میرے نفس پر شاق گزرا کہ تھوڑا سا دُودھ جس کو مَیں تنہا پی سکتا ہُوں اس کے لیے اصحاب صُفّہ کو بُلایا جا رہا ہے۔ پھر مجھ سے ہی کہا جائے گا کہ پلاؤ۔ یہ وسوسہ ذہن میں آرہا تھا مگر مجبور تھا تعمیلِ حکم کرنی تھی، چنانچہ اصحابِ صفہ آئے۔ مجھے حُکم ہُوا۔ مَیں نے یکے بعد دیگرے ہر ایک کو دُودھ پلایا۔ جب سب کو پلا چکا تو مجھے حکم ہُوا کہ تم پیو مَیں نے پیا۔ فرمایا اور پیو پھر فرمایا اور پیو مَیں نے عرض کیا یارسول اللہ اب بالکل گنجائش نہیں رہی۔ تب آپ نے یہ بادیہ خود لیا اور بسم اللہ پڑھ کر باقی کو نوش فرمایا۔ بخاری شریف ص ۹۵۵

[1] بخاری شریف ص ۶۳ ج ۱ و فتح الباری ص ۴۲۶ ج ۱ [2] ترمذی شریف باب فی معیشت اصحاب النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ص ۵۹ ج ۲

[3] ترمذی شریف باب فی معیشت اصحاب النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ص ۵۹ ج ۲

ایک ایک دو دو کو لے جائے اور اُن کو کھانا کھلائے[1]۔

مسجدِ مُبارک کے دو ستونوں میں ایک رسی بندھی رہتی تھی۔ کھجوروں کے موسم میں حضرات انصار کھجوروں کے گچھے (خوشے) اپنے باغات سے لاکر لٹکا دیتے تھے جو کھجور پک جاتا اس کو لکڑی سے جھاڑ کر کھا لیا کرتے تھے[2]۔ ان بہادر وجاں باز فقراء اور درویشان باوقار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بشارت دیا کرتے تھے۔

لو تعلمون مالکم عند اللہ لَاَحببتم ان تزدادوا فقرًا وحاجۃً۔[3]

اگر تم جان جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے لیے کیا تیار ہے تو تم آرزو کرو کہ ہمارا یہ فقر و فاقہ اور بڑھ جائے۔

ان حضرات کی تعداد گھٹتی بڑھتی[4] رہتی تھی۔

نمازِ جنازہ کی جگہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو جس کسی بیمار کی نزعی کیفیت ہوتی (مرنے کے قریب ہوتا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع دی جاتی۔ آپ تشریف لاتے اس کے لیے دُعا فرماتے۔ وہ شخص وفات پاجاتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ تجہیز وتکفین آپ کے سامنے ہی ہوتی اور آپ دفن کے وقت تک وہاں رہتے۔ اس میں آپ کو بہت دیر ہوجاتی تھی۔ اس کا ہمیں احساس ہُوا تو ہم نے یہ کرلیا کہ وفات کے

---

[1] یہ بھی صُورت ہوتی کہ آپ فرما دیتے کہ جن کے یہاں دو کھانے والے ہوں وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے یہاں کھانے والے چار ہوں وہ دو کو لے جائے اور ساتھ کھانا کھلائے۔ ایک روز آپ نے اسی طرح اصحاب صفہ کو تقسیم فرما دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں چار کھانے والے تھے۔ خود حضرت ابوبکرؓ اُن کے صاحبزادے اور اہلیہ اور ایک خادم مگر آپ اپنے ساتھ تین کو لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سات اصحاب کو لے گئے۔ (بخاری شریف ص۸۴ و ص۵۰۶ وغیرہ [2] وفاء الوفاء ص۳۲۴ ج۱ [3] ایضًا ص۳۲۲ ج۱ و ترمذی شریف باب فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ص۵۹ ج۲ [4] عارف سہروردی نے عوارف میں لکھا ہے کہ اصحاب صفہ کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے۔ حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں سب کا تذکرہ کر دیا ہے۔ فتح الباری ص۲۱۵ ج۱۱۔ علامہ شاطبی نے بہت دلچسپ بحث کی ہے کہ صفہ سے خانقاہ پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان حضرات کا یہ قیام اور قیام گاہ ضرورت کی بناء پر تھا یہ کوئی مستقل ادارہ نہیں تھا۔ (الاعتصام)

(بقیہ بر ص۵۵)

خطاب : ۱۸-۴-۱۹۷۰ء

"جمعہ" کی حقیقت اور فضیلت

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَدَاعِیًا اِلَیْہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ،

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ٥ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

بزرگانِ محترم!

اِس وقت کوئی ارادہ میرا تقریر کرنے کا نہیں تھا اور نہ تقریروں کے لیے میں پاکستان حاضر ہُوا (ہوں) مقصد صرف اپنے بزرگوں اور دوستوں اور عزیزوں سے ملنا تھا، نہ جلسے مقصود تھے نہ تقریریں اسی کے ساتھ چونکہ عرصہ سے اس علالت اور کمزوری کا سلسلہ بھی جاری ہے تو وہاں (ہندوستان میں) بھی مَیں نے تقریریں کم کر دی ہیں اور یہاں بھی کوئی خیال نہیں تھا۔ بہرحال یہ جو کچھ بھی اشتہار وغیرہ چھپا ہُوا

ہے۔ یہ میری لاعلمی سے ہوا، اب چونکہ ہو گیا اور اعلان ہو گیا اس کا احترام بھی لازمی تھا۔ اس واسطے یہاں حاضر ہو گیا کہ چند کلمات گزارش کروں چونکہ طبیعت میں کمزوری کی وجہ سے ایک انتشار سا بھی ہے اس لیے کوئی خاص موضوع بھی ذہن کے اندر نہیں ہے کہ جس پر کچھ بیان کیا جائے قدرتی موضوع بنا بنایا "یومِ جمعہ" ہے اور جمعہ کی نماز ہے اس لیے خیال یہ ہے کہ اسی کے سلسلے میں چند باتیں گزارش کر دی جائیں تاکہ اعلان کا احترام بھی ہو اور اپنا فریضہ بھی کسی حد تک ادا ہو جائے۔

جمعہ کے سلسلے میں چند باتیں گزارش کرنی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ایک عادتِ کریمہ ہے اور وہ یہ کہ وہ خالق ہیں ہر چیز کے ساری کائنات انھوں نے ہی بنائی ہے اور عرش سے لے فرش تک انہی کے بنائے ہوئے سارے جہان ہیں تو وہ جس چیز کو چاہیں پیدا فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی عادتِ کریمہ

لیکن عادت یہ ہے کہ اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اپنے لیے منتخب کر لیتے ہیں۔ کسی ایک چیز کو اپنے لیے پسند کر لیا، اس میں فضیلت بھر دی اس میں عظمت پیدا کر دی۔

ساتوں آسمانوں میں سے انتخاب

جیسے سات آسمان بنائے ہوئے ہیں لیکن منتخب کر لیا سب سے اُوپر کے آسمان کو اور اسی کو اپنی جنتوں کا قرار گاہ بنایا قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى سدرة المنتہٰی کے قریب ہی سے جنتوں کا علاقہ شروع ہوتا ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ سدرة المنتہٰی ہے ساتویں آسمان پر، تو آیت اور روایات کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلا کہ جنتوں کا علاقہ ساتویں آسمان سے شروع ہوتا ہے تو ساتویں آسمان کو اپنے لیے منتخب کر لیا اس کو پسندیدہ قرار دیا اور جنتوں کا قرار گاہ بنایا۔

ملائکہ میں سے انتخاب

ملائکہ اربوں کھربوں اللہ نے پیدا کیے اُن میں سے منتخب کر لیا چار ملائکہ کو مختلف حیثیتوں سے، حضرت جبریل علیہ السّلام جو صاحبِ وحی ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السّلام اور میکائیل اور عزرائیل علیہم السّلام ان چار کو برگزیدہ قرار دیا اور ان چاروں میں سے پھر سیّد الملائکہ قرار دیا حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو کہ وہ مخدوم ہیں تمام ملائکہ کے، تو ملائکہ سب ہیں اور مقدس ہیں اور معصوم ہیں عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ان کی صفت ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ

اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ نام بھی نہیں ہے ان میں عصیان اور نافرمانی کا منشاء خداوندی کو دیکھ کر اس کی تعمیل کرتے ہیں تو مطیع مطلق ہیں یہ قدر مشترک ہے سب میں مگر اُن میں سے منتخب کر لیا چار کو اور چار میں سے پھر منتخب کر لیا ایک کو

جنتوں میں سے انتخاب

اسی طرح سے جنتیں بنائیں، سو جنتیں ہیں اُوپر نیچے اور ہر جنّت آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑی ہے اس میں سے منتخب کر لیا فردوس کو جو مقام بنایا اپنے پیغمبروں کا انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کا سب سے اُوپر کی جنّت ہے۔

زمین میں سے انتخاب

اسی طرح سے زمین بنائی اس میں سے خطے منتخب کر لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ خَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُھَا وَشَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُھَا زمین کے اندر بہترین اور خیر کے مواقع　مساجد ہیں اور شر کے مواقع وہ اسواق اور بازار ہیں کہ جن میں ہر وقت دغل فسل شور شغب ہوتا رہتا ہے تو بہترین مواقع جن کو اللہ نے منتخب کیا وہ مساجد ہیں مساجد کے اندر پھر جن مساجد میں جمعہ ہوتا ہے اُن جوامع کو منتخب کر لیا کہ عام مساجد میں اگر ستائیس درجہ جماعت کا ثواب ہے تو جامع مسجد میں ایک نماز کا پانچ سو درجہ ثواب ہے تو منتخب کر لیا اپنے لیے، پھر مساجد کے اندر بھی تین مساجد کو ایک خاص برگزیدگی عطا فرمائی۔ مسجدِ حرام[۱] اور مسجدِ اقصیٰ[۲] اور مسجدِ نبوی[۳] اور فرمایا حدیث میں نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا کہ اگر سفر کر کے ہی نماز پڑھنے کے لیے کوئی جائے مسجد میں تو یہ مسجدیں احق ہیں کہ آدمی سفر کرے اور اُن تک پہنچے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) تو مساجد منتخب ہیں اُن میں سے یہ تین مسجدیں منتخب ہیں اور پھر اعظم ترین مسجد مسجدِ حرام کو قرار دیا کہ اس میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہو جاتی ہے، گویا مطلب یہ کہ آدمی اگر ایک لاکھ نمازیں پڑھ کر کچھ روحانی مراتب حاصل کرے تو جو ایک لاکھ نمازیں پڑھنے میں اُس کو درجات ملیں گے مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے میں وہ روحانی ترقی ہو جائے گی تو ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہوتی تو ساری زمین میں سے مساجد کو منتخب کیا مساجد میں سے تین مساجد کو اور اُن میں سے پھر ایک کو اپنے لیے۔

جانداروں میں سے انتخاب

اسی طرح سے جتنے بھی جاندار ہیں اُن میں سے اشرف ترین نوع قرار دیا انسان کو وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ

رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ہم نے انسان مہذّب بنایا، مکرّم بنایا اس کو بالا کیا۔ بر اور بحر کے اندر اس کو اُونچا اُٹھایا رزق بھی اس کو طیبات کا دیا پاکیزہ سے پاکیزہ چیز اس کو کھانے اور استعمال کے لیے دی اور ہر حیثیّت سے اُس کو مہذّب اور محترم بنایا اور قسم کھا کر دعویٰ کیا کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ہم نے نہایت ہی پاکیزہ اندازے میں انسان کو بنایا ہے حُسنِ ظاہر کے لحاظ سے دیکھو تو ساری انواع میں سب سے زیادہ خُوب صُورت اور جمیل انسان ہے حُسنِ باطن کے اعتبار سے دیکھو تو عقل اور فہم اور ادراک اور سمجھ جو اُسے دی ہے وہ کسی نوع کو عطا نہیں کی گئی تو ظاہر اور باطن کے لحاظ سے اُسے مکمّل کیا تو سارے نفوس میں انسانی نفس کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔

انسانوں میں سے انتخاب

پھر انسانوں کے اندر سارے ہی محترم ہیں بِلا تفصیل لیکن اس میں منتخب کیا اہلِ ایمان کو کہ وہ ہمارے پسندیدہ ہیں جو ایمان میں نہیں آتے وہ پسندیدہ نہیں ہیں

اہلِ ایمان میں سے انتخاب

پھر ایمان والوں میں پسند کیا اتقیاء کو کہ صدق وعفاف اُن کے اندر ہے پاکدامنی ان میں ہے ۔ پھر اُن کے اندر انتخاب کیا اہلِ علم اور فضل کا پھر علماء کے اندر درجات اور مراتب ہیں فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ہر عالم سے بڑھ کر عالم ہر علم والے کے اُوپر علم والا اُن میں منتخب کیا ان علماء کو جو علمِ احکام کے ساتھ علمِ ذات وصفات بھی رکھتے ہوں،

علماء کی اقسام

جیسے امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں عَالِمٌ بِاللّٰهِ وَعَالِمٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ وَعَالِمٌ بِاللّٰهِ وَبِاَمْرِ اللّٰهِ ایک عالم وہ ہے جو احکام کو جانتا ہے جائز و ناجائز حلال وحرام کو، اس کا بڑا رتبہ اور مقام ہے اور ایک وہ ہے جو ذات وصفات کی معرفت رکھتا ہے اور اُس کو زیادہ جائز و ناجائز کی چیزیں معلوم نہیں مگر اللہ کی ذات کو اُس کے کمالات کو پہچانتا ہے اسے معرفت حاصل ہے پھر اُن کو منتخب تین قسموں میں فرمایا عَالِمٌ بِاللّٰهِ وَعَالِمٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ وَعَالِمٌ بِاللّٰهِ وَبِاَمْرِ اللّٰهِ ایک فقط احکام کو جانتا ہے، ایک ذات وصفات کو جانتا ہے، ایک ذات وصفات کی معرفت کے ساتھ احکام کی معرفت بھی رکھتا ہے وہ جامع ہے وہ زیادہ اُونچے درجہ کا ہے۔

علماء میں سے انتخاب

پھر ان میں پسند کیا انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو کہ وہ سرچشمہ ہیں علم و کمال کا کہ براہِ راست حق تعالیٰ اُنہیں علم دیتے ہیں اپنے اخلاق کا نمونہ بناتے ہیں اور نمونہ بنا کر بھیجتے ہیں۔ دُنیا میں، تو انہی کے صدقے سے دُنیا میں علم پھیلتا ہے عُلماء بنتے ہیں عارف بنتے ہیں

انبیاء کے اندر مراتب

پھر انبیاء کے اندر مراتب ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انبیاء ہیں جو مقدس ترین طبقہ ہے دُنیا میں اور اُن سے زیادہ برگزیدہ کوئی نہیں اس میں منتخب کیا تین سو تیرہ پیغمبروں کو اور تین سو تیرہ میں سے چالیس کو منتخب کیا اور چالیس میں سے پانچ کو منتخب کیا جو اولوالعزم ہیں۔ حضرت نوح علیہ السّلام ہیں، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السّلام عیسیٰ علیہ السّلام اور نبیِّ کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اور پھر اُن پانچ میں سے ایک کو منتخب کیا اور وہ ذاتِ بابرکات نبوی ہے (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) تو یہ سلسلہ انتخاب کا سب چیزوں میں دیکھیں گے۔ مکانات میں، اشخاص میں، ایّام میں زمانہ میں

مہینوں میں انتخاب

مہینوں میں منتخب کیا مہینہ رمضان کا اپنی کتاب اپنے قرآن کو اسی مہینہ میں اُتارا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ پھر رمضان شریف کے اندر منتخب کیا عشرۂ اخیرہ کو کہ اس میں جو برکات ہیں اُس کا نمونہ دوسرے ایّام میں نہیں ہے۔

راتوں میں انتخاب

پھر لَیَالِیْ اور راتیں ہیں اس میں لیلۃ القدر کو منتخب کر لیا کہ اس میں جو فضیلتیں ہیں وہ دوسری راتوں میں نہیں۔

دنوں میں انتخاب

اسی طرح سے سات دن بنائے سب محترم اس میں سے جمعہ کو منتخب کر لیا اپنے لیے، اس کو سَیِّدُ الْاَیَّامِ بنایا کہ وہ تمام دنوں میں زیادہ برگزیدہ ہے اور زیادہ مقدس دن ہے تو جمعہ منتخب ہے تمام ایّام میں اس کو سید الایّام بنایا۔

جمعہ کے انتخاب کی صُورت کیا ہُوئی

صُورت انتخاب کی وہ ہے جو ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے تین اُمّتوں کو اپنے اپنے وقت میں اختیار دیا کہ ایک دن منتخب کر لیں طاعت و عبادت کا کہ اس دن اور کام ترک کر دیں اور اللّٰہ کی طرف متوجہ ہوں اور

فرمایا وہ دن ہمارے علم میں طے شدہ ہے تمہارا امتحان لیتے ہیں کہ تم منتخب کرو، پہنچتے ہو اس دِن پر یا نہیں، یہود نے منتخب کیا یَوْمُ السبت کو سنیچر (ہفتہ) کا دن اختیار کیا، فرمایا تمہارے لیے یہ دن ہے عبادت کا، مگر اُس دن کو نہیں پاسکے جو ہمارے علم میں طے شدہ تھا۔

اس کے بعد نصاریٰ آتے اُن سے بھی کہا گیا کہ تم بھی ایک دن مقرر کر لو طاعت وعبادت کا اور ہمارے ہاں طے شدہ ہے ہمارے علم میں اُنھوں نے منتخب کیا اتوار کے دن کو، فرمایا تمہارے لیے طاعت کا دِن ہے لیکن اُس دِن کو نہیں پاسکے جو ہمارے علم میں منتخب ہے اُس کے بعد مسلمانوں کے سامنے بھی یہی مسئلہ رکھا گیا، حضور سے فرمایا گیا کہ اُمّتِ مسلمہ منتخب کرلے ایک دِن کو اور ہمارے علم میں طے ہے کہ وہ کونسا دِن ہے۔ اِس اُمّت نے جمعہ کے دِن کا انتخاب کیا، فرمایا تمہارے لیے یہی دن برگزیدہ ہے یہی ہمارے علم میں طے شدہ ہے۔ یہ اُمّت پاگئی منشاء خداوندی کو جس سے اس اُمّت کی فضیلت اور برگزیدگی معلوم ہوئی اُمّت میں ایسے ایسے افراد بھی موجود ہوتے ہیں کہ جو منشاء خداوندی کو پالیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور نے فرمایا کہ اس اُمّت میں محدَّث ہوں گے جن کے ساتھ اللہ باتیں کرتا ہے اُن کے قلب پر حق تعالیٰ کی مرضیات اُترتی ہیں فرمایا کہ ان میں سے عمرؓ ہیں۔

موافقاتِ عمر رضی اللہ عنہ

بارہ مسئلے ایسے ہیں کہ جو رائے تھی حضرت عمرؓ کی بعینہٖ وہی وحی بھی نازل ہوئی گویا منشاء خداوندی کی اتنی مطابقت ہوئی اُن کے ضمیر کو کہ ٹھیک وہیں تک پہنچے جو مرضی خداوندی تھی۔

حدیث میں ہے کہ ازواجِ مطہرات کا پردہ نہیں تھا۔ مجلسِ مبارک میں ازواجِ مطہرات بھی بیٹھتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی مجلس میں مخلص بھی آتے ہیں۔ منافق بھی آتے ہیں میں پسند نہیں کرتا کہ ازواجِ مطہرات ان لوگوں کے سامنے بیٹھیں ازواجِ مطہرات نے بُرا مانا کہ عمر کون ہوتا ہے ہم پہ پابندی عائد کرنے والا لیکن اُنھوں نے اپنی رائے عرض کی۔ آیت نازل ہوئی وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ گھروں کے اندر ٹھہری رہو تو جو اُن کا منشاء اور مرضی تھی اسی کے مطابق وحی خداوندی آئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی جو عرض کی کہ طواف کے بعد جو دو نفلیں پڑھی جاتی ہیں کیا اچھا ہو کہ مقامِ ابراہیم کو بیچ میں لے لیا جائے اور نماز پڑھی جائے یہ ایک رائے ظاہر کی قرآنِ کریم میں آیت نازل ہوئی کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلّٰى مقامِ ابراہیم کو مصلّٰی بنالو تو جو اُنھوں نے رائے قائم کی معلوم ہوا کہ منشاء خداوندی بھی وہی ہے اسی طرح سے کوئی بارہ مسائل ہیں کہ اُن کی رائے بعینہٖ گویا حق تعالیٰ کی مرضی کے ساتھ ہوئی۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہ دَارَ الْحَقُّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ جدھر عمرؓ چلتے ہیں حق بھی اُدھر ہی کو چلتا ہے ظاہر میں تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جدھر کو حق چلے اُدھر کو حضرت عمرؓ چلیں تو شرعی ترتیب تو یہ تھی کہ جدھر حق جا رہا ہے اُدھر جا رہے ہیں حضرت عمرؓ، اس لیے کہ اتباعِ حق ہی اصل چیز ہے فرمایا جا رہا ہے کہ جدھر یہ چلتے ہیں حق اُدھر کو چلتا ہے تو ایک مقام ہے مبتدی کا اور ایک مقام ہے منتہی کا، مبتدی کا مقام تو یہ ہے کہ جدھر حق چلے وہ اس کی پیروی کرے اور منتہی جب حق کی پیروی کرتے کرتے راسخ ہو جاتا ہے تو سرتاپا حقانیت بن جاتا ہے اس لیے جدھر کو وہ چلتا ہے حق بھی اُدھر ہی کو چلتا ہے۔ یہ ایک منتہی کا مقام ہے تو بہرحال حضرت عمرؓ کو محدَّث کہا گیا اور فرمایا گیا کہ اُمّت میں محدَّث ہوں گے تو مجموعی طور پر یہ اُمّت قائم مقام ہے اپنے پیغمبر کی اس لیے مجموعی طور پر محدَّث ہے، مجموعی طور پر جو رائے قائم کرتی ہے وہ منشاء خداوندی کے مطابق ہوتی ہے تو پوری اُمّت نے رائے قائم کی کہ یومِ طاعت یومِ جمعہ ہونا چاہیے۔ اسی کے مطابق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جمعہ ہی تمہارے لیے منتخب ہے اور یہی دن ہمارے علم میں طے شدہ تھا تم نے وہ چیز پالی جو منشاء خداوندی ہے بہرحال اس سے جمعہ کے متعلق معلوم ہوا کہ یہ دِن انتخاب کیا گیا تھا پہلے سے ایّام بنائے سات مگر منتخب کر لیا ایک دن اور ظہور اس کا اس طرح سے ہوا۔

جمعہ میں جامعیت کی شان ہے

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس جمعہ کے اندر ایک جامعیت کی شان موجود ہے جمعہ اس کا مادّہ ہے جَمْعٌ یہ جامع مسجد اس کا مادہ بھی ہے جَمْعٌ تو جمعہ میں جمع کرنے کی شان ہے بکھیرنے کی شان نہیں ہے لوگوں کو جمع کر لے چیزوں کو جمع کر لے، احوال کو جمع کر لے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جتنے بڑے بڑے اُمور ہوئے ہیں اس کائنات کے وہ جمعہ ہی کے دن

ہُوئے ہیں حضرت آدم علیہ السّلام کی مٹی جمع کی گئی ہے جمعہ کے دن جب ان کا پتلا بنانا تھا اور خمیر تیار کرنا تھا تو جمعہ کا دن تھا۔ مٹی جمع کی گئی کائنات کے ہر خطہ سے مٹی جمع کی گئی اس میں سیاہ رنگ کی مٹی بھی تھی زرد رنگ کی سُرخ رنگ کی سفید رنگ کی . . . آدم نے ساری مٹیاں جمع کیں گویا سارے اَلْوَان کا مجموعہ یہ حضرت آدمؑ اس لیے اولاد میں رنگ برنگ کے انسان ہیں۔ گورے بھی ہیں اور کالے بھی ہیں اور سبز رنگ کے بھی ہیں اور زرد رو بھی ہیں اور سُرخرو بھی ہیں اور زردی اور سُرخی مل کر جو بیچ میں نئے نئے الوان پیدا ہوتے ہیں وہ سب موجود ہیں تو آدم نے چونکہ ساری مٹیاں جمع کیں، اس واسطے اولادِ آدم میں رنگ برنگ پیدا ہو گئے اور مختلف الْاَلْوَان لوگ، تو مٹیوں کا جمع کر دینا الوان کا جمع کر دینا یہ جمعہ کے دن ہُوا تو جمعہ کی جامعیت یہاں بھی پائی گئی، اجزاء جمع کر دیے گئے، مٹی کے ان سے ایک ایسی مخلوق تیار کی گئی کہ جو پُورے عالم پر فائق ہو گئی اور جامع ترین مخلوق۔

بقیہ: درسِ حدیث

وسلّم کی بات سُنیں اسلام کی طرف مائل ہوں، یہی طریقے ہیں پہلے آدمی مائل ہوتا ہے پھر بات سُنتا ہے پھر اثر ہوتا ہے تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دین پھیلانا اور تبلیغ فرمانا اس کے مختلف طریقے رہے ہیں مگر تبلیغ زیادہ پیشِ نظر رہی ہے خُون ریزی بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر استقامت نصیب فرمائے۔

○

حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے شیدائیوں کے لیے نوید ہے کہ

"بخاری کی باتیں"

از سیّد امین گیلانی شائع ہو گئی ہے۔ شائقین کرام اور تاجر حضرات اپنے اپنے آرڈر فوراً ارسال فرمائیں تاکہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

قیمت: ۷۵ روپے، پاکستان اور آزاد کشمیر کے ہر بڑے شہر کے بک سٹال یا براہِ راست ادارہ السادات شرقپور روڈ شیخوپورہ۔ فون: ۵۴۴۱۶ سے طلب کریں۔

عبدالستار عاصم ناظم ادارہ السادات

شاعرِ اسلام جناب سیّد امین گیلانی

عرق میں غرق جبینوں کو دیکھ کر رویا

اِدھر جو خاک نشینوں کو دیکھ کر رویا ۔۔۔ اُدھر بلند مکینوں کو دیکھکر رویا
زمیں کا رزق بنیں گے یہ چاند سے چہرے ۔۔۔ مَیں اِس نظر سے حسینوں کو دیکھکر رویا
نہ جانے، پار لگیں گے کہ ڈوب جائیں گے ۔۔۔ وَداع ہوتے، سفینوں کو دیکھکر رویا
کبھی جلیں گے یہاں بھی مسرّتوں کے چراغ ۔۔۔ دیارِ غم کے مکینوں کو دیکھکر رویا
دفینوں والے ہُوئے خود بھی دفن زیرِ زمیں ۔۔۔ یہ سوچتے ہی دفینوں کو دیکھکر رویا
نہ جن میں جان پڑی بارشوں کی رُت میں بھی ۔۔۔ مَیں ایسی مُردہ زمینوں کو دیکھکر رویا
نہ دے سکے جنہیں تعلیم حکمرانِ وطن ۔۔۔ مَیں اُن غریب ذہینوں کو دیکھکر رویا
کسی شریف کی پگڑی اُچھال کر سرِ عام ۔۔۔ مَیں ہنسنے والے، کمینوں کو دیکھکر رویا
کڑکتی دُھوپ میں محنت کشوں کا حال نہ پُوچھ ۔۔۔ عَرَق میں غرق جبینوں کو دیکھکر رویا
سخن کا اُس کو قرینہ نہیں تو میرا حریف ۔۔۔ مِرے سخن کے قرینوں کو دیکھکر رویا

امینؔ دیکھ کر رویا مَیں نزع میں اُس کو
خزینوں والا خزینوں کو دیکھ کر رویا

حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمّد میاںؒ صاحب

حیاتِ مُسلم کی ایک جھلک

قربانی ایثار اور تقسیم دولت کی نادر مثال

نعروں کی بجائے عمل

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت کے تیرہ سال از ۶۰۹ء تا ۶۲۲ء مکّہ میں گزرے اس تیرہ سال کے عرصہ میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد دو سو سے زیادہ ہوگئی مگر اُن کی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ جماعتی نظم قائم ہو سکے۔ ایک بڑی تعداد کو مجبور ہوکر اپنے وطن (مکّہ) سے نکلنا پڑا۔ اُنھوں نے حبش جاکر پناہ لی۔ جو مسلمان مکّہ میں تھے۔ وہ رات دن طرح طرح کے مصائب میں مُبتلا تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور عرب کے قریبی رشتہ دار تقریباً تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے مکّہ کے باشندوں نے اُن سے بائیکاٹ رکھا، لیکن اس انتشار اور پراگندی کی صورت میں اگرچہ کوئی باقاعدہ پروگرام نہیں پیش کیا جا سکتا تھا مگر اس دوحرفی پروگرام پر اس لاچارگی اور بیچارگی کے زمانہ میں بھی برابر عمل ہوتا رہا۔ كُفُّوٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (سورہ نساء رکوع ۱۱)

سیرتِ مقدسہ پر نظر رکھنے والا اس فیصلہ پر مجبور ہے کہ مکّی زندگی کے تیرہ سالہ دَور میں ایک بُنیادی مقصدِ عمل کی پُوری سرگرمی کے ساتھ کامیاب بنایا گیا۔ عام محاورہ کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ کچھ نظریات پیش کیے گئے اور ذہنوں کو اُن کے لیے ہموار ہی نہیں کیا گیا، بلکہ ان نظریات کو ذہنوں میں رچا دیا گیا۔ آج کل دولت، سرمایہ داری اور تقسیمِ دولت کی بحث ہے۔ اس مناسبت سے وہی نظریات پیش کیے جا رہے ہیں جن کا تعلّق اس موضوع سے ہے۔ سورۂ بلد اسی زمانہ میں نازل ہُوئی تھی۔ جس کی چند آیتوں کا

ترجمہ یہ ہے۔

"کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ کہتا ہے کہ میں نے بے شمار دولت خرچ کر ڈالی۔ (میں نے کھپایا مال ڈھیروں۔ ترجمہ: شاہ عبدالقادرؒ) کیا یہ سمجھتا ہے کہ نہیں دیکھا ہے اس کو کسی نے۔ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں۔ زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ اور کیا ہم نے اس کو دونوں راستے نہیں بتا دیے؟ پس وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا۔

آپ کو معلوم ہے گھاٹی کیا ہے؟

(گھاٹی یہ ہے) چھڑانا کسی گردن کا۔ (مصیبت زدہ غلاموں کو رہائی دلانا) یا کھلانا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو، یا کسی خاک میں رہنے والے مسکین کو (محتاج کو)"

(سورۂ بلد پارہ ۳۰)

سورۂ دہر بھی اسی زمانہ میں نازل ہوئی جس کی چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ان آیتوں میں اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"ایسے وقت کہ جب خود اُن کو کھانا محبوب ہوتا ہے اور خود اپنے اندر اس کی ضرورت اور طلب محسوس کرتے ہیں اس کے باوجود وہ مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اُن کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ ہم صرف اللہ کے لیے کھانا کھلا رہے ہیں تم سے ہمیں نہ کوئی بدلہ درکار ہے اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا شکریہ ادا کریں"۔ (سورۂ دہر۔ جزء ۲۹)

سورۂ ہمزہ کی چند آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ وہ سرمایہ دار کے خلاف کس شدت سے گرج رہی ہیں۔

"بڑی خرابی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہے اور رو در رو طعنہ دینے والا ہے (یہ وہ مغرور اور متکبر ہے) جس نے سمیٹا مال اور اس کو گن گن کر رکھا جو سمجھتا ہے کہ اس کا مال سدا رہے گا اس کے ساتھ (اس کی دولت دوام پذیر ہوگی) ہرگز نہیں! ایسا شخص یقیناً پھینک دیا

جائے گا حطمہ میں اور تم جانتے ہو کہ حطمہ کیا ہے؟
وہ آگ ہے جو بھڑکائی گئی ہے خدا کی طرف سے جو جھانک لیتی ہے دلوں کو۔ وہ اُن پر بند کر دی جائے گی۔ (مونڈ دی جائے گی) لمبے لمبے ستونوں میں"۔

اس مضمون کی آیتیں جو مکّہ معظّمہ کے اس دور میں نازل ہوئیں۔ قدرتی بات ہے کہ انہوں نے اس مقدس جماعت کے دلوں کو مال و دولت کی محبّت سے پاک کر دیا اور یہاں تک نکھار دیا کہ درہم و دینار سے اُن کو ایسی ہی نفرت ہو گئی جو اونٹ اور بھیڑ کی مینگنیوں سے نفرت تھی۔

ان تعلیمات کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا تمام سرمایہ جو زمانہ تجارت میں کمایا تھا خرچ کر کے فاقہ کو دولت قرار دے چکے ہیں۔ اُن کی رفیقۂ حیات طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو مکّہ کے دولت مندوں میں سب سے اونچا درجہ رکھتی تھیں اپنی تمام دولت خرچ کر کے فقر و فاقہ کو نعمت تصوّر کرنے لگیں۔ وفات ہوئی تو ترکہ میں ایک بھی ایسی چیز نہیں ہے جس کا ذکر کیا جا سکے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کے پاس اسلام لانے کے دن چالیس ہزار کا سرمایہ تھا، جب وہ مکّہ سے روانہ ہوئے تو صرف پانچ ہزار باقی تھے۔ اس عرصہ کے کاروباری منافع کے علاوہ اصل پونجی یعنی پینتیس ہزار صرف ہو چکے تھے

البتّہ گردن چھڑانے کی ہدایت جو قرآنِ پاک میں کی گئی تھی اس کے مظاہرے کھلے طور پر سامنے آتے ہیں۔ کتنے ہی غلام ہیں جن کو خرید کر آزاد کیا گیا۔ کتنے ہی مقروض ہیں جن کے قرضے ادا کیے گئے۔ خدا جانے کتنے بھوکے ہوں گے جن کی ضروریات کا تکفل فرمایا گیا ہوگا۔ حلیمہ سعدیہ جنہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دودھ پلایا تھا جن کے یہاں خشک سالی ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس امداد کیلئے پیغام بھیجا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ۴۰ بکریوں کا ایک گلّہ خرید کر اُنکے حوالہ کر دیا۔

——جو آیتیں اس زمانہ میں نازل ہوئیں اُن میں ایک فرض یہ بھی قرار دیا گیا کہ دوسروں کو غربا پروری پر آمادہ کریں۔ یعنی بخل اور سرمایہ پرستی کے جراثیم جس طرح اپنے اندر سے ختم کریں اسی طرح دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں اور داد و دہش کی فضا بنائیں——

سورۂ الحاقہ کی آیات ۳۰ تا ۳۲ کا ترجمہ یہ ہے۔

اس شخص کو پکڑو اور اُس کے طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ میں اس کو داخل کر دو۔ پھر ایسی زنجیریں جن کی پیمائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔ (کیوں یہ عذاب کس لیے؟ وجہ یہ ہے۔) یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج (مرنے کے بعد قیامت کے روز) اس شخص کا نہ کوئی دوست دار ہے اور نہ اُس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے (اگر کچھ ہے تو) صرف زخموں کا دھوون ہے جس کو صرف وہی کھائیں گے جو ترے گنہگار (پاپی) ہوں گے۔ سورہ الحاقہ $\frac{69}{30 \text{ تا } 32}$

تم نے دیکھا اس کو جو جھٹلاتا ہے۔ انصاف کو (پاداشِ عمل پر یقین نہیں رکھتا) یہ وہی ہے جو دھکیلتا ہے یتیم کو، جو ضرورت مند (مسکین) کو کھانا دینے کی تاکید اور ترغیب نہیں کرتا۔ سو ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں۔ جو دکھاوا (ریاکاری) کرتے ہیں جن کی تنگدلی کا یہ عالم ہے کہ برتنے اور استعمال کرنے کی چیز مانگنے پر دینی گوارا نہیں کرتے۔ (سورۃ الماعون $\frac{107}{1-7}$ اس کے علاوہ سورۂ فجر $\frac{89}{16-20}$ وغیرہ)

مکّی زندگی کا دَور ختم ہوا۔ مہاجرین کا قافلہ مدینہ پہنچا۔ یہاں ایک نہایت پیچیدہ اقتصادی سوال پیدا ہوا۔ مدینہ خاص کی آبادی جو اسلام کی پناہ گاہ تھی وہ ڈھائی ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ وہ جانباز مخلص جو اپنی ذمّہ داری پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ طیّبہ لائے تھے بیعتِ عقبہ کے وقت اُن کی تعداد بہتر ۷۲ تھی۔ اُن کے رفقاء اور معاون جو مدینہ طیّبہ میں تھے وہ چند سو سے زیادہ نہ تھے۔

مختصر یہ کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو افراد ہوں گے جو مدینہ طیّبہ میں اس تحریک کے ذمّہ دار تھے ان میں سے بہت سے غریب اور تہی دست بھی تھے جو صاحبِ حیثیت تھے اُن کے پاس نہ کوئی کارخانہ تھا۔ نہ کوئی تجارتی منڈی تھی نہ صنعت و حرفت کا کوئی سلسلہ تھا۔ صرف کاشتکار تھے۔ جن کے پاس زراعت کے لیے تھوڑی تھوڑی زمینیں تھیں یا

کھجوروں کے باغات تھے۔ ہجرت کا سلسلہ شروع ہُوا تو کم و بیش ایک سو افراد بہت تھوڑے عرصہ میں مدینہ پہنچ گئے۔ اُن میں سے بہت سے وہ تھے جو اپنے وطن مکّہ میں اچھی خاصی حیثیّت رکھتے تھے، لیکن جس صُورت سے اُن کو وطن (مکّہ) چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ حد درجہ خطرناک تھی، اُن کے لیے ممکن نہیں تھا کہ اپنے ساتھ وہ سرمایہ لا سکیں۔ پوری رازداری کے ساتھ چُھپ کر نکل آنا ہی بہت بڑی کامیابی تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مکّہ کے ایک رئیس گھرانے کے ایک فرد تھے۔ اُن کے ارادۂ ہجرت کا پتہ چل گیا تو خاندان کے آدمیوں نے اُنھیں گرفتار کر لیا اُنھوں نے انتہائی عاجزی وزاری کی تو اس شرط پر یہ روانہ ہو سکے کہ اپنے سرمائے میں سے اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جائیں گے۔

مہاجرین کے سلسلے میں صرف مکّہ ہی کے حضرات نہیں تھے بلکہ جب مدینہ طیّبہ کو ایک مرکزی حیثیّت حاصل ہو گئی تو اگرچہ تعداد کتنی ہی تھوڑی تھی مگر اُن سب کے لیے پناہ گاہ بن گئی تھی جو مختلف قبائل کے اندر اِکّا دُکّا اسلام سے مشرف ہو چکے تھے یہ حضرات بھی مدینہ طیّبہ پہنچنے لگے۔ اقتصادیات کے ماہرین کے لیے ایک نہایت دلچسپ سوال ہے کہ ان بے روزگاروں کے لیے روزگار کی کیا شکل کی جائے؟ اُن کا تقدس اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کے ایک پیسے پر بھی نظر ڈالیں خود تہی دست ہیں۔ ذریعہ معاش کوئی نہیں۔ خود مدینہ میں ایک کافی تعداد میں بڑے لوگوں کی ہے جو صاحبِ دولت ہیں لیکن مسلمان نہیں ہوئے۔ مدینہ کے آس پاس یہودیوں کے قبیلے ہیں وہ بہت خوش حال بڑے دولت مند۔ اُن کی تجارتی کوٹھیاں بھی ہیں اور اُن کے پاس تجارتی منڈیاں بھی۔ لیکن اُن کے سامنے جُھکنا خود داری اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے۔

جیسے ہی محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ طیّبہ پہنچے مدینہ کے مُسلم اور غیر مُسلم باشندوں سے ایک معاہدہ ہو گیا اور اس طرح ایک ایسا نظام قائم ہو گیا جس کو حکومت یا مملکت کہا جا سکتا ہے ممکن تھا کہ اس نظام کے ذریعہ کوئی ٹیکس عائد کر دیا جاتا، لیکن یہ بات اسلامی خود داری کے قطعاً مخالف تھی کہ اپنی ضرورتوں کے لیے اُن سے ٹیکس

وصول کریں جو ذہنی طور پر ہمنوا اور حامی نہیں ہیں۔ غیرت اور خودداری کا تقاضا یہ تھا کہ نووارد مُسلمانوں کے لیے امداد کی اپیل کی جائے تو صرف اُن سے جو ہر طرح اپنے آپ کو اسلام کے لیے پیش کر چکے تھے۔ لیکن لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے اُصول کا تقاضا یہ تھا کہ اُن پر بھی کوئی جبر نہ کیا جائے۔ اسلام کا بُنیادی نظریہ یہ ہے کہ دلوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی طرف سے امداد کا قانون بنائیں۔ کوئی سیاسی لیڈر ایسے موقع پر یہ کر سکتا تھا کہ کچھ جائیدادیں ضبط کرے تاکہ بے روزگاروں کا کام چلے اور نظام قائم ہو سکے، لیکن اس سے آپس میں محبّت ہرگز نہیں قائم ہو سکتی تھی۔

اسلامی تعلیمات نے بہت ہی تھوڑی مدّت میں معجزہ کے طور پر ایک خاص وصف مُسلمانوں کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ اس وصف کا نام ایثار ہے۔ اس ایثار نے ایک اشارہ کیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیغمبرانہ ذہانت نے اس اشارہ کو سمجھا۔ آپ نے ایک تجویز پیش کی کہ جو مدینہ کے اصل باشندے ہیں اور جو مکّہ کے آنے والے مہاجر ہیں۔ ان کے اندر قانونی بھائی چارہ قائم کر دیا جائے۔ یعنی صرف زبانی دوستی اور اخوّت نہیں بلکہ ایسی اخوّت جو دو نسلی بھائیوں کے اندر ہوتی ہے۔ آپ نے تجویز پیش کی کہ ایک انصاری ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنا لے۔ حضرات انصار یعنی مدینہ کے اصل باشندوں نے بڑی خوشی سے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے عمل کی تمام ذمّہ داری آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے کر دیں۔ آپ نے نام بنام بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یعنی یہ مہاجر فلاں انصاری کا بھائی ہے اس بھائی چارہ کے معنیٰ یہ تھے کہ مہاجر اس انصاری کی تمام املاک کے اندر برابر کا شریک ہو گیا۔ جس قدر جائیداد ہے، باغ ہے، مکان ہے تو آدھا انصاری کا یعنی مدینہ کے اصل باشندے کا اور آدھا اس بھائی مہاجر کا۔

ایک لطیفہ یہ تھا کہ مہاجر بھائی کاشت سے قطعًا ناواقف، اس کا پیشہ تجارت، اس کا وطن مکّہ، جہاں کھیت اور کاشت کا نام نہیں۔ اس کو اگر انصاری کی جائیداد مل بھی گئی تو اپنی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کرنا مشکل تھا کہ وہ کاشتکار بنتا، ہل جوتتا اور کھیتوں کو سیراب کرتا۔

یہ حضرات انصار کا مخلصانہ ایثار تھا کہ اُنھوں نے اپنی جائیدادوں اور باغوں کا آدھا حصّہ دیا اور یہ بھی طے کردیا کہ کاشت کا تمام کام وہ کریں گے۔ حضرات مہاجرین کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، البتّہ آمدنی آدھی اُن کی خدمت میں پیش کردی جائے گی۔

موضوعِ کلام سے کسی قدر ہٹ کر یہ عرض کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ حضرات انصار (باشندگانِ مدینہ) جن کے لیے ایثار کر رہے تھے۔ وہ بھی سیاسی رنگروٹ نہیں تھے۔ یہ وہ تھے جن کو محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فیضِ تربیت اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرچکا تھا۔ حضرات انصار کے ایثار کے جواب میں ان مہاجر بزرگوں نے کامیابی کے جھنڈے نہیں لہرائے جلوس نہیں نکالے ۔ شکریہ کی رسمی تجویزیں نہیں پاس کیں بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں نے اپنے انصاری بھائی سے کہا آپ کے اخلاص کا شکریہ، مجھے ایسا بازار بتادیجیے جو زیادہ چلتا ہو۔ انصاری بھائی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اُن کو قبیلہ قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا۔ (یہ وہاں بظاہر خوانچہ لگا کر بیٹھ گئے) اور دن بھر میں اتنے دام کمالیے کہ شام کو جب واپس ہوئے تو انصاری بھائی کے لیے کچھ پنیر اور کچھ گھی بھی خرید کر لیتے آئے۔

(بخاری شریف ص ۲۷۵)

دَورِ حاضر کی تہذیب جس کو اپنی ترقّی پر ناز ہے، ان نوواردوں کو جو کسی سیاسی یا قانونی استحقاق کے بغیر باشندگانِ مدینہ کی املاک میں حصّہ دار بن گئے تھے، اگر کسی وجہ سے اخراج کا حکم نہ دیتی، مگر جائیدادوں کی تقسیم کی چسک اور ٹیس اُن کے دلوں کو ضرور تڑپاتی رہتی اور اس بنا پر نا ممکن تھا کہ ان کے دلوں میں مہاجرین سے محبّت پیدا ہوتی، لیکن اخلاقی تربیت کی یہ برکت تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں صرف محبّت ہی نہیں بلکہ عقیدت قائم ہوگئی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو اُن کے انصاری بھائی کی بیوی حضرت اُم العلاء کو یقین تھا کہ ایسا مقدس بزرگ یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی عزّت کا مستحق ہے۔ وہ صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے فرما رہی تھیں۔

شَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ اَكْرَمَكَ اللّٰهُ

مَیں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یقیناً عزّت بخشی ہے۔

۳ھ میں غزوہ بنونضیر ہوا۔ اور اس موقع پر بنونضیر کی ضبط شدہ جائیدادیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے ہوئیں۔ اُصولاً آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حق پہنچتا تھا کہ اُن کو ذاتی مِلک قرار دے لیتے یا اپنے خاندان کے لیے مخصوص کر دیتے مگر آپ نے ان جائیدادوں کی تقسیم کا فیصلہ فرمایا اور یہ پُورا تعلقہ حضرات مہاجرین کو تقسیم کر دیا۔ اس موقع پر حضرات انصار نے جس ایثار کا ثبوت دیا، وہ بھی ناقابلِ فراموش حقیقت ہے۔ یہ انصار تقریباً ڈھائی سال سے مہاجرین کے مصارف برداشت کر رہے تھے۔ دَورِ حاضر کی روشن تہذیب جو ہمدردیٔ نوعِ انسان کی بلند بانگ دعوٰی دار ہے اگر وہ کار فرما ہوتی تو انصار کا مطالبہ یہ ہوتا کہ یہ ضبط شُدہ جائیداد مصارف کے عوض میں اُن کے حوالے کی جائے۔ یہ یہاں کے اصل باشندے بھی ہیں اور تین سال سے پُوری جماعت کا خرچ بھی برداشت کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ یہ تعلقہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے اور جو جائیدادیں بھائی چارے کی بناء پر انصار نے مہاجرین کو دی تھیں وہ اُن کو واپس کر دی جائیں تو تاریخ نے وہ الفاظ محفوظ کر لیے ہیں جو حضرات انصار نے عرض کیے تھے لَا بَلْ تَقْسِیْمُ هٰذِهٖ فِیْهِمْ وَاقْسِمْ لَهُمْ مِنْ اَمْوَالِنَا مَا شِئْتَ۔ ترجمہ: نہیں حضرت یہ نہیں ہو گا۔ بنونضیر کی تمام جائیداد حضرات مہاجرین ہی کو دے دیجیے اور نہ صرف یہ جائیداد بلکہ ہماری طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ خود ہماری جائیدادوں میں سے بھی جو کچھ آپ چاہیں ان کو عنایت کر دیں۔

یہی حضرات انصار ہیں جنھوں نے دوسرے موقع پر یہ بھی فرمایا تھا کہ جو کچھ آپ لیں گے وہ اس سے بہت بہتر ہو گا جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام وغیرہ)

○

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت حافظ محمد یعقوب صاحب خادمُ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے، خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

(ادارہ)

(قسط: ۲)

"فقہ حنفی"
اور اُس کی خصوصیات و اَوّلیات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر مدرس دار العلوم سبیل السّلام، حیدر آباد، دکن۔

فقہ حنفی کی اجتماعی تدوین

فقہ حنفی کا ایک امتیاز اور اُسکی اہم ترین خصوصیّت یہ ہے کہ اُس نے حضرت عمر فاروق رضؓ کے اجتماعی اجتہاد کی سُنّت کی تجدید کی، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں یہ معمول رکھا تھا کہ مدینہ کے فقہاء صحابہ کو جمع کر کے نئے مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے اور اجتماعی طور پر کوئی فیصلہ فرماتے، کسی مسئلہ میں صحابہ کے درمیان اختلاف رائے ہوتا اور یہ اختلاف رائے مصلحت کے خلاف محسوس ہوتا تو کسی ایک رائے پر ان سب کو متّحد کر دیتے۔ حضرت عمرؓ کے بعد مدینہ کے فقہاء سبعہ نے اجتماعی غور و فکر میں تسلسل کو باقی رکھا، امام ابوحنیفہؒ نے جب اپنے استاذ حماد کی وفات کے بعد مسندِ درس کو رونق بخشی اور کوفہ و عراق میں فقہ کی امامت آپ کے حصّہ میں "حق بحقدار رسید" کے مصداق آئی، تو اُنھوں نے اسے اپنی آخرت کے لیے ایک بارِ دوش تصوّر کیا، پھُونک پھُونک کر قدم رکھے اور سنبھل سنبھل کر اس خارزار سے گزرنے کی سعی کی اور اس کے لیے کارِ اجتہاد میں اپنے ممتاز تلامذہ کو شریک رکھا، مکی نے سیف الائمہ سائلی سے نقل کیا ہے کہ اس مقصد کے لیے آپ نے چالیس شاگردوں کا انتخاب کرتے ہوئے اُن سے اس اہم کام میں مدد کی خواہش کی اور نہایت دِل سوزی کے ساتھ فرمایا کہ مجھے دوزخ کا پل بنا دیا گیا ہے۔ آسانی تو دوسروں کو ہوتی ہے اور بوجھ میری پشت پر ہے[۱] کردری کا بیان ہے کہ آپ ایک ایک مسئلہ پیش فرماتے اور اس پر ایک ایک ماہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہتا، پھر جب روشن چراغ کی طرح دلائل واضح ہو جاتے تو اب امام ابویوسفؒ اس کو قلمبند کرتے۔ فکان یطرح مسئلة لھم ثم یسأل ما عندھم و یقول

---

[۱] مناقب ابی حنیفة للموفق ۱/۳۳

ماعنده ويناظرهم فی كل مسئلة شهرًا او اكثر ویاتی بالدلائل انور من السراج الازهر"[1] اسد بن فراتؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مسائل پر بھی تین تین دنوں بحث اور غور و فکر کا سلسلہ جاری رہتا پھر اس کو بقید تحریر لایا جاتا وكانوا يقيمون فى المسألة ثلاثة ايام ثم يكتبونها فى الديوان[2]

تذکرہ نویسوں نے یوں تو اس مجلس میں زیرِ بحث آنے اور فیصل ہونے والے مسائل کی تعداد لاکھوں میں بیان کی ہے لیکن کم سے کم جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ ۸۳ ہزار مسائل طے پائے جن میں سے ۳۸ ہزار صرف عبادات سے متعلق تھے[3]

حضرت امامؒ جلالتِ شان کے باوجود اپنے ذہین تلامذہ کی اس درجہ رعایت فرماتے کہ بسا اوقات ان کی آمد پر فیصلہ موقوف رکھا جاتا، ایسے ہی خوش نصیبوں میں عافیہ بن یزیدؒ تھے، امام صاحب کسی مسئلہ کو اس وقت تک قطعیت نہ دیتے جب تک اُن کو بھی شریک نہ کر لیں[4] پھر امام ہمام کے یہ تلامذہ بھی اس پایہ کے تھے کہ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں امام احمدؒ جیسے محدث نے فرمایا کہ میں نے ان سے تین تھیلے "ثلاثة قماطر" علم حدیث لکھا ہے[5] امام محمدؒ کا حال یہ تھا کہ خود امام شافعیؒ علم فقہ میں ان کے احسان شناس تھے اور برملا اس کا اعتراف فرماتے تھے کہ "اَمَنُّ النَّاسِ فِی الْفِقْهِ عَلَیَّ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ"[6] امام احمدؒ ان کی عربی زبان سے آگہی کے بہت معترف تھے، اَبْصَرُ النَّاسِ بِالْعَرَبِيَّةِ[7] امام زفرؒ کی زبردست قوّتِ قیاس کی خود امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنیؒ نے ستائش کی ہے[8]

امام ابو حنیفہؒ کے اجتماعی تبادلہ خیال کے طریق نے امام صاحب کے علاوہ آپ کے تلامذہ میں بھی اختلاف رائے کو برداشت کرنے اور اپنے آپ پر تنقید سننے کی خاص صلاحیت پیدا کر دی تھی، ابن عیینہؒ کا ایک دفعہ اس مسجد سے گزر ہوا جس میں آپ کی مجلس فقہ جمی ہوئی تھی اور خوب آواز آ رہی تھی، ابن عیینہؒ نے اس طرف آپؒ کو توجہ دلائی تو فرمایا کہ انھیں چھوڑ دو کہ اس کے بغیر وہ سمجھتے نہیں ہیں[9] امام

---

[1] مناقب ابی حنیفۃ للکردری ص۵۷ [2] حسن التقاضی ص۱۲ [3] دیکھئے: کردری کی مناقب ص۱۶۲

[4] حسن التقاضی ص۱۲ [5] حسن التقاضی ص۲۰ [6] تاریخ بغداد ۲/۱۷۲ [7] الانساب ۸/۲۰۴ [8]

[9] مناقب ابی حنیفہ للکردری ۲/۳

شافعیؒ نے امام محمدؒ کے بارے میں فرمایا کہ میں نے جس کسی سے بحث کی اس کا چہرہ (تکدر سے) متغیر ہوگیا سوائے محمد بن حسنؒ کے[1] حقیقت یہ ہے کہ اس اجتماعی طریق اجتہاد اور آزادانہ بحث و نقد نے فقہ حنفی میں نصوص و رائے اور مقاصد شریعت اور انسانی مصالح کے درمیان ایک خاص قسم کا توازن پیدا کر دیا ہے اور یہی فقہ حنفی کی مقبولیت اور مدتوں عالمِ اسلام پر بلا شرکتِ غیرے اس کی فرماں روائی کا رمز ہے

فقہ حنفی کی عمومی خصوصیات

فقہ حنفی کے بارے میں ان ضروری وضاحتوں کے بعد اب میں اس فقہ کی خصوصیات کی طرف آتا ہوں، ان خصوصیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک اس کا عام مزاج اور عمومی اندازِ فکر ہے جو فقہ کی جزوی تفصیلات اور مستنبط جزئیات کی روشنی میں معلوم کیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے اس کی حیثیت بہرحال استقراء اور تخمین ہی کی ہوگی۔ عین ممکن ہے کہ بعض ایسی جزئیات اور مسائل بھی مل جائیں جو بظاہر اس کے عام مزاج و مذاق سے مختلف محسوس ہوتے ہوں اور کسی خاص دلیل یا کسی اور مصلحت کی بناء پر ایسا کیا گیا ہو، دوسرے اُصولِ قانون اور قواعد استنباط کے متعلق بمقابلہ دوسرے دبستانِ فقہ حنفی کا اپنا کیا مزاج ہے۔ اور اس کی کیا استدلالی اور استنباطی خصوصیات ہیں جو اس کو دوسرے مکاتب فقہ سے ممتاز کرتی ہیں؟ اس بارے میں جو کچھ کہا جائے گا اس کی بُنیاد ایک ٹھوس اور ثابت نظریہ پر ہوگی اور احکامِ شرعیہ پر ان کی عملی تطبیق میں خال خال ہی انحراف نظر آئے گا۔

شخصی آزادی کا تحفّظ

فقہ حنفی کی سب سے بڑی خصوصیت اس فقہ میں شخصی آزادی کی رعایت ہے، اور اس باب میں شاید کوئی اور فقہ اس کی ہمسر نہ ہو، چنانچہ غور کیجیے کہ فقہ حنفی ہی ہے جس نے بالغ لڑکی کو اپنے نفس پر مکمل اختیار دیا ہے، وہ خود رشتہ کے انتخاب اور نکاح کے ایجاب و قبول کی حقدار ہے اور ولی کے مشورہ کے بغیر بھی اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے، جبکہ اکثر فقہاء کے یہاں نکاح کے مسئلہ میں لڑکی کے اختیارات بہت محدود کر دیے گئے ہیں یہاں تک کہ اس کے ایجاب و قبول کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے، کہ "لَاعِبْرَةَ بِعِبَارَةِ النِّسَآءِ"۔

اسی طرح حجر کا مسئلہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں عاقل و بالغ آدمی ہر طرح سے اپنے مال میں تصرف

---

[1] مَانَاظَرتُ احدًا الا تغیر وجهه ماخلا محمد بن الحسن تاریخ بغداد ۲/۱۷۲

کا مجاز ہے، اگر وہ "معتوہ" اور "سفیہ" ہو تو ۲۰ سال کی عمر ہونے سے پہلے اس کا مال اس کے حوالہ نہ کیا جائے گا، پچیس سال کی عمر ہونے کے بعد بہر حال اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اس عرصہ میں بھی جبکہ اس کا مال اس کے قبضہ میں نہیں ہے، اس کے قولی تصرفات خرید و فروخت، ہبہ و وصیت اور دوسرے تصرفات قابلِ نفاذ ہوں گے۔ دوسرے فقہاء کے یہاں اوّل تو اس کو مال ہی سپرد نہ کیا جائے گا، دوسرے اس کا تصرف بھی قابلِ عمل اور قابلِ نفاذ نہ ہوگا ——— یہی حال ایسے مقروض کا ہے جس کا دیوالیہ ہوگیا ہو، اکثر فقہاء کا خیال ہے کہ ایسا شخص اپنے مال میں کسی قسم کا تصرف اور معاملہ نہیں کر سکتا اور اس کے پاس جو مال موجود ہو، قاضی کو اختیار ہوگا کہ اسے بجبر فروخت کر دے اور قرض خواہوں کے قرض ادا کر دے، امام ابوحنیفہؒ نے یہاں بھی مقروض کی حرّیتِ شخصیہ کو ملحوظ رکھا ہے اور مقروض کے دیوالیہ ہونے کو سلبِ اختیار کا باعث نہیں مانا ہے نہ اُس کے تصرف کو رَد کیا ہے اور نہ جبرًا اس کے مال کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے۔ ہاں اسے قید رکھا جائے گا تاآنکہ وہ خود اپنے سامان فروخت کر کے قرض ادا کر دے۔

مذہبی رَوا دَاری

مذہبی آزادی اور غیر مسلموں کے ساتھ رَوا داری اور مذہبی و انسانی حقوق کا لحاظ جس درجہ فقہ حنفی میں رکھا گیا ہے وہ غالبًا اس کا امتیاز ہے۔ غیر مسلموں کو اپنے اعتقادات کے بارے میں اور ان اعتقادات پر مبنی معاملات کے بارے میں احناف کے یہاں خاصی فراخدلی اور وسیع النظری پائی جاتی ہے، قاضی ابوزید دبوسیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے اس ذوق و مزاج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"الاصل عند ابی حنیفة ان ما یعتقده اهل الذمة و یدینونه یترکون علیه[1]"

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ اہل ذمہ جو عقیدہ رکھتے ہوں اور جس دین پر چلتے ہوں ان کو اسی پر چھوڑ دیا جائے گا۔

چنانچہ جن غیر مسلموں کے یہاں محرم رشتہ داروں سے نکاح جائز ہو، امام صاحبؒ کے نزدیک ان کے لیے اپنے ایسے رشتہ داروں سے نکاح کرنے پر قدغن نہ ہوگی، اسی طرح غیر مسلم زوجین میں سے

---

[1] تاسیس النظر ص ۱۳

ایک فریق مسلمان قاضی کی طرف رجوع ہو اور شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کا طالب ہو تو قاضی دخل نہ دے گا تا آنکہ دونوں فریق اس کے خواہش مند نہ ہوں، اسی طرح غور و فکر کرو کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس طرح مسلم ملک کا غیر مسلم شہری کسی مسلمان کے قتل کے جرم میں قصاصاً قتل کیا جائے گا، اسی طرح مسلمان سے بھی غیر مسلم شہری کے قتل پر قصاص لیا جائے گا ـــــــ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں کہ اُنھوں نے حرم کا دروازہ غیر مسلموں کے لیے کھول رکھا ہے۔ اور ان کو حدودِ حرم میں آنے کی اجازت دی ہے، دوسرے فقہاء کے یہاں مسلمان غیر مسلم کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ حدودِ حرم میں داخلہ کی اجازت ہوگی، یہی حال دیت اور خون بہا کا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے انسانی خون میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا ہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی دیت کی مقدار برابر رکھی ہے، عام فقہاء کی رائے اس سے مختلف ہے ـــــ یہ چند مثالیں ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سی ایسی جزئیات موجود ہوں گی جن سے فقہ حنفی کے اس مزاج کی نشاندہی ہوتی ہے۔

حقوق اللہ اور حلال و حرام میں احتیاط

تیسری اہم خصوصیت حقوق اللہ اور حلال و حرام میں احتیاط کی راہ اختیار کرنا ہے، امام کرخیؒ نے لکھا ہے:

"ان الاحتیاط فی حقوق اللہ جائز وفی حقوق العباد لا یجوز ... اذا دارت الصلوٰۃ بین الجواز والفساد فالاحتیاط ان یعید الاداء" [۱]

حقوق اللہ میں احتیاط جائز ہے، حقوق العباد میں جائز نہیں ... چنانچہ جب نماز میں جواز و فساد کے دو پہلو پیدا ہو جائیں تو احتیاط نماز کے اعادہ میں ہے۔

چنانچہ غور کیا جائے تو عبادات میں امام صاحب کے ہاں احتیاط کے پہلو کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھا گیا ہے، نماز میں گفتگو کو مطلقاً مفسد قرار دیا گیا چاہے بھول کر یا اصلاحِ نماز کی غرض سے کیوں نہ گفتگو کی گئی ہو، مصحف سے دیکھ کر نماز پڑھنے کو مفسد مانا گیا ہے۔ نماز کی حالت میں قہقہہ کو ناقضِ وضو قرار دیا گیا، دسویں ذی الحجہ کو افعالِ حج میں ترتیب ضروری قرار دی گئی، روزہ خواہ کسی طور توڑا جائے خورد و نوش کے ذریعہ یا جماع کے ذریعہ اس کو موجبِ کفّارہ کہا گیا، حرمتِ مصاہرت میں بھی سختی برتی گئی، زنا بلکہ

---

[۱] اصول الکرخی ص۱۷۱

دواعیِ زنا کو بھی حرمت کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا گیا، حرمتِ رضاعت کے معاملہ میں بھی دُودھ کی کسی خاص مقدار کے پینے کی قید نہیں رکھی گئی بلکہ ایک قطرہ دُودھ کو بھی حرمتِ رضاعت کا باعث قرار دیا گیا۔

مُسلمان کی طرف گناہ کی نسبت سے اجتناب چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ فعلِ مُسلم کو حتی المقدور حرمت کی نسبت سے بچانے اور حلال جہت پر محمول کرنے کی کوشش کی جاتی ہے امام کرخیؒ کا بیان ہے۔

"ان امور المسلمین محمولة علی السداد والصلاح حتی یظهر غیره مثال من باع درهماً و دیناراً بدرهمین و دینارین جاز البیع وصرف الجنس الی خلاف جنسه" [1]

مُسلمانوں کے معاملات صلاح و درستگی پر محمول کیے جائیں گے تاآنکہ اس کے خلاف ظاہر و واضح ہو جائے، مثلاً کوئی شخص ایک درہم اور ایک دینار، دو درہم اور دو دینار کے بدلہ فروخت کرے تو معاملہ جائز ہوگا اور ایک درہم کو دو دینار اور ایک دینار کو دو درہم کے مقابل سمجھا جائے گا۔

علاوہ دوسرے احکام کے خاص طور پر دو مسائل ہیں جن میں بسہولت اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ایک تکفیر کا مسئلہ دوسرے ثبوتِ نسب کا، کسی مُسلمان پر کُفر کا فتویٰ لگائے جانے اور دائرہ اسلام سے خارج کیے جانے میں امام ابوحنیفہؒ کس درجہ محتاط تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو ابن نجیم مصریؒ نے الاشباہ والنظائر میں نقل کیا ہے کہ آپ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو کہتا تھا کہ مجھے جنّت کی اُمّید نہیں، جہنّم کا اندیشہ نہیں، خدا سے ڈرتا نہیں ہوں۔ قرأت اور رکوع و سجدہ کے بغیر نماز پڑھ لیتا ہوں اور ایسی چیز کی شہادت دیتا ہوں جسے دیکھا تک نہیں، حق کو ناپسند کرتا ہوں، فتنہ کو پسند کرتا ہوں آپ کے اصحاب نے کہا کہ اس شخص کا معاملہ تو بہت مشکل ہے، لیکن امام صاحب نے ان تمام باتوں کی توجیہ فرمائی، فرمایا کہ جنّت کے اُمّیدوار نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خُدا کی رضا کا اُمیدوار ہوں اور جہنّم سے نہ ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے اللہ سے نہ ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ

---

[1] اصول الکرخی ص۸۱

کہ خدا سے ظلم کا خطرہ نہیں، مردار کھانا "مچھلی کھانے اور ٹڈی کھانے" سے عبارت ہے، بغیر رکوع وسجدہ اور قرأت کے نماز سے مراد نماز جنازہ ہے، بن دیکھی گواہی توحید کی گواہی ہے۔ حق سے بغض رکھنے سے مراد موت کو ناپسند کرنا ہے کہ موت ہی سب سے بڑی حقیقت ہے، فتنہ سے محبّت کے معنی اولاد سے محبّت ہے۔ کیونکہ اولاد کو قرآن میں فتنہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ استفسار کرنے والا کھڑا ہوا امام ابوحنیفہؒ کی جبینِ فراست کو بوسہ دیا اور عرض کناں ہُوا کہ آپ ظرف علم ہیں" اشهد انك لِلعلمِ وعاء" [1]

اسی طرح ثبوتِ نسب کے معاملہ میں بھی حنفیہ نے ممکن حد تک احتیاط اور زنا کی طرف انتساب سے بچانے کی کوشش کی ہے، قاضی ابوزید دبوسیؒ نے صحیح لکھا ہے۔

"الاصل عندنا ان العبرة فی ثبوت النسب لصحة الفراش وکون الزوج من اهله لا بالتمکن بالوطی وعند الشافعی العبرة فی النسب التمکن من الوطی حقیقة [2]

ہمارے یہاں اصل یہ ہے کہ ثبوتِ نسب کے لیے فراش کا صحیح ہونا اور شوہر کا اس کا کافی ہے فی الواقع وطی کا امکان ضروری نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک ثبوتِ نسب میں وطی کا عملی طور پر امکان ضروری ہے۔

چنانچہ وقتِ نکاح سے ٹھیک چھ ماہ پر ولادت ہو تب بھی حنفیہ کے یہاں نسب ثابت ہو جائے گا، اسی طرح زوجین میں مشرق و مغرب کا فرق ہو اور بظاہر زوجین کی ملاقات ثابت نہ ہو اس کے باوجود نسب ثابت ہو جائے گا، تاکہ کسی مسلمان کی طرف فعلِ زنا کی نسبت سے بچا جا سکے۔

عقل و اُصول سے ہم آہنگی

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ فقہائے احناف نے دین کے اُصولِ مسلمہ اور قواعدِ متفقہ نیز عقل سے ہم آہنگی کا خاص خیال رکھا ہے، مثلاً شریعت کی ایک تسلیم شُدہ اصل یہ ہے کہ انسانی جسم پاک ہے اور اُس کو چھُونا موجبِ نجاست نہیں، یہ عین مطابق عقل و دانش بھی ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے شرمگاہ یا عورتوں کے چھُونے کو ناقضِ وضو قرار نہیں دیا،

---

[1] الاشباہ والنظائر ص۴۲۶ [2] تاسیس النظر ص۱۵۹

آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے استعمال کو بھی ناقضِ وضو نہیں سمجھا، صلوۃِ کسوف میں دو، تین، چار اور پانچ رکوع والی روایات کے مقابلہ میں ہر رکعت میں ایک رکوع والی روایت کو ترجیح دیا، کہ یہ نماز کے عام اُصول و معمول کے مطابق ہے، جانور کا دودھ روک کر اسے فروخت کیا جائے ایسی صورت میں بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جانور اور دودھ سے انتفاع کے بدلے ایک صاع کھجور ادا کی جائے، ظاہر ہے کہ یہ حکم شریعت کے عام قانونِ مکافات اور اُصولِ مجازات سے مطابقت نہیں رکھتا، چنانچہ حنفیہ نے اس روایت کو اخلاقی ہدایت پر محمول کیا، اور اس نفع کو قانونی طور پر ناقابلِ عوض ٹھہرایا، کیونکہ دین اور اُصولِ انصاف کے مسلمہ اصولوں میں سے یہ ہے کہ جو شخص نقصان کا ذمہ دار ہو وہی نفع کا بھی حقدار ہے، چنانچہ اس صورت میں اگر وہ جانور ہلاک ہوجاتا تو خریدار کو ہی یہ نقصان اُٹھانا پڑتا، تو ضرور ہے کہ اس مدّت میں جانور کے ذریعہ جو نفع حاصل ہوا ہو وہی اُس کا مالک اور حقدار قرار پائے۔

فقہائے احناف کی آراء اور دوسرے فقہی مذاہب سے اس کا تقابل کیا جائے تو قدم قدم پر فقہ حنفی کا مذاق نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور اسی پر قاضی ابو زید دبوسیؒ نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

ان خبر الواحد متی ورد مخالفا لنفس الاصول . . . لم یقبل اصحابنا۔[1]

خبرِ واحد جب نفسِ اُصول کے خلاف ہو تو احناف اس کو قبول نہیں کرتے۔

یُسر و سہولت کا لحاظ

فقہ حنفی میں انسانی ضروریات اور مجبوریوں کا خیال اور شریعت کے اصل مزاج "یسر" اور "رفعِ حرج" کی رعایت قدم قدم پر نظر آتی ہے، مثلاً غور کرو کہ اکثر فقہاء نے نجاست کو مطلقاً نماز کے منافی قرار دیا اور ادنیٰ درجہ نجاست کو بھی قابل عفو نہ مانا، لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اوّل تو نصوص کے لب و لہجہ، فقہاء کے اتّفاق و اختلاف اور لوگوں کے حالات اور مجبوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے نجاست کی تقسیم کی اور غلیظ و خفیفہ میں اُن کو تقسیم کیا۔ دوسرے نجاستِ غلیظہ ایک درہم اور نجاست خفیفہ نجاست جس چیز میں لگی ہو، اس کے ایک چوتھائی تک قابلِ عفو قرار دی۔ پانی کی کثیر اور قلیل مقدار کے لیے کوئی تحدید نہ کی اور اُس کو ان لوگوں کی رائے پر رکھا جو خود کسی پانی کی پاکی یا ناپاکی کے مسائل سے دوچار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حنفیہ کی کمال ذہانت اور غایت درجہ فراست کی بات ہے جو انھوں نے اس سلسلہ

---

[1] تاسیس النظر ص۷۷

ہیں اختیار کی ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی مقدار کسی علاقہ کے لیے کثیر اور کسی علاقہ کے لیے قلیل قرار پائے
مثلاً ہندوستان کے نشیبی خطہ میں ـــــ جہاں جگہ جگہ پانی کے بڑے بڑے تالاب ہیں اور پانی کی سطح ۵۰، ۶۰
فٹ پر ہے ـــــ اور راجستھان کے صحرا جہاں پانی کی شدید قلّت ہے اور پانی کی سطح نہایت نیچے ہے، کو
قلیل وکثیر مقدار کے معاملہ میں ایک ہی پیمانہ کے تحت رکھنا لوگوں کے لیے نہایت تنگی اور دُشواری کا
باعث ہوگا اور احناف کی اس رائے کی روشنی میں ایسے مختلف حالات میں تنگی اور دُشواری سے بچا جاسکے گا۔

امام ابوحنیفہؒ ایک ایسے علاقہ میں تھے جو خالص عرب علاقہ نہ تھا، عجمیوں کی مجبوری اور نومُسلموں کی
دقت اُن کے سامنے تھی کہ بہ ہزار کوشش بھی وہ عربی عبارتوں کا صحیح تلفّظ نہیں کرپاتے، اس لیے آپؒ نے
ابتدا ً فارسی زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کی تلاوت کو کافی قرار دیا، گرما کے موسم میں تاخیر اور نسبتاً ٹھنڈا
ہونے کے بعد نمازِ ظہر کی ادائیگی کا مستحب ہونا اور اچھی طرح صُبح کھلنے کے بعد نماز فجر کی ادائیگی کو ترجیح دینا
فقہ حنفی کے اسی مزاج کا عکّاس ہے، عبادات میں اُصول یہ ہے کہ اُس کے آغاز سے پہلے نیت کرلی
جاتے مگر روزہ کا آغاز ایسے وقت ہوتا ہے کہ عین اسی وقت نیت کو ضروری قرار دینا سخت مشکل ہوتا
چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے روزہ شروع ہونے کے بعد بھی نیت کو کافی قرار دیا، زکوٰۃ کی ادائیگی میں شوافع
کے یہاں ضروری ہے کہ قرآن میں بیان کردہ آٹھوں مصارف اور ہر مصرف کے کم سے کم تین حقدار کو
ادا کیا جائے۔ گویا ہر کم وبیش زکوٰۃ کم سے کم حقداروں پر تقسیم کی جائے، تب زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس
میں کس قدر دقت ہے وہ محتاج اظہار نہیں، احناف نے کہا کہ کسی ایک مصرف اور اس کے ایک فرد
کو بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کافی ہے۔

"تاہم ایسا نہ سمجھنا چاہیے کہ احناف یسر وسہولت کے لیے اور حرج ومشقّت کے ازالہ کی غرض سے
نصوص اور قرآن وحدیث کی صراحتوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں، ابن نجیمؒ کا بیان ہے۔

"المشقۃ والحرج انما یعتبران فی موضع لانص فیہ" [1]

مشقت وحرج کا اعتبار ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔

واقعہ ہے کہ احناف نے اس باب میں جس درجہ توازن برتا ہے اور شریعتِ الٰہی اور ضرورتِ انسانی کو جس طرح دوش بدوش
ساتھ رکھا ہے، وہ شریعت کے اوامر ونواہی اور شریعت کے مقاصد ومصالح دونوں میں گہری بصیرت اور عمیق فہم کا ثبوت ہے۔

---

[1] الاشباہ والنظائر ص۸۳

قانونِ تجارت میں دقیقہ رسی

امام ابو حنیفہؒ عمدہ کپڑوں کے بڑے تاجروں میں تھے بلکہ بعضوں کا خیال ہے کہ کوفہ کی سب سے بڑی دکان آپ ہی تھی اس لیے طبعی بات ہے کہ تجارت کے احکام جس تفصیل اور وسعت اور عمق اور وقت کے ساتھ آپ کے یہاں ملتے ہیں عام فقہاء کے یہاں نہیں ملتے، یہ بات اس لیے بھی اہم ہے کہ عبادات سے متعلق نصوص وافر تعداد میں منقول ہیں، نکاح کے متعلق بھی جزئیات اور تفصیلات کا ایک قابلِ لحاظ حصہ کتاب و سنّت میں موجود ہے لیکن تجارت کے بارے میں کتاب و سنّت میں صرف ضروری اُصول اور بنیادی قواعد کی نشاندہی کر دی گئی ہے جن سے شریعت کے مقاصد کی وضاحت ہو جاتی ہے، جزوی تفصیلات بہت کم مذکور ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا اور معاملات میں اسی طرح کی حد بندی کر دی جاتی جو عبادات میں کی گئی ہے تو تغیّر پذیر حالات اور متغیر قدروں میں ان پر عمل مشکل ہو جاتا اس لیے اس کی جزوی تفصیلات قیاس و رائے اور اجتہاد و استنباط ہی کی رہینِ منت ہیں اور ان تفصیلات کی تنقیح میں شرح و بسط اور دقت نظر مجتہد کی بصیرت اور فہم کا اصل مظہر ہے۔

شیخ ابو زہرہ نے اس سلسلہ میں خصوصیت سے "بیع سلم" کا ذکر کیا ہے[1]۔ بیع سلم میں چوں کہ معاملہ کے وقت مبیع موجود نہیں ہوتی بعد کو ادا کی جاتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کی اچھی طرح تعیین عمل میں آجائے تاکہ آئندہ نزاع کا کوئی امکان باقی نہ رہ جائے، امام ابو حنیفہؒ نے اس کوچہ کے رمز آشنا کی حیثیت سے بڑی تفصیل کے ساتھ اس سلسلہ کے ایک ایک جزئیہ کی تفصیل و توضیح کر دی ہے چنانچہ آپ نے ضروری قرار دیا کہ اس شئی کی جنس، نوعیت، مقدار، صفت، ادائیگی کی مدت اور مبیع کی حوالگی کے مقام کے علاوہ کس شہر کی صنعت ہے؟ اس کی بھی صراحت کر دی جائے کہ مختلف شہروں اور علاقوں کی صنعتوں اور اُن کی قیمتوں میں قابلِ لحاظ فرق ہوتا ہے —— اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے گوشت میں بیع سلم کی اجازت نہیں دی اور وجہ یہ بیان کی کہ گوشت کبھی فربہ ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس لانہٗ یشمل لحم السمین والھزیل[2] کبوتر کے انڈے گن کر بیچے جاتے ہیں اور مختلف انڈوں میں کوئی قابلِ لحاظ فرق نہیں پایا جاتا۔ ایسی اشیاء کو "عددی غیر متفاوت" کہا جاتا ہے اور ان میں "بیع سلم"

---

[1] ابو حنیفہ ص ۳۷۰　[2] المبسوط ۱۳/۱۳۷

جائز ہوتی ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ نے خاص طور پر ان انڈوں میں خرید و فروخت جائز نہیں رکھی کہ ان انڈوں کے بالائی غلاف اپنی خوب صورتی کی وجہ سے مکانات اور کمروں کی زیبائش و آرائش کے لیے استعمال کیے جاتے تھے اور اس مقصد کے لیے بھی ان کی خرید و فروخت ہُوا کرتی تھی اور اس لحاظ سے ان انڈوں میں خاصا تفاوت پایا جاتا ہے[1]

حدیث میں قبضہ سے پہلے کسی سامان کو فروخت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ نے زمین اور غیر منقولہ جائداد کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا کہ شریعت کا اصل منشا دھوکہ اور غرر سے تحفظ ہے، منقولہ اشیاء میں اس کا احتمال و امکان موجود ہے کہ شاید قبضہ میں آنے سے پہلے ہی یہ شئی ہلاک و ضائع ہو جائے، غیر منقولہ جائداد میں بظاہر اس کا امکان نہیں ــــــ حدیث میں بعض مواقع پر کسی تفصیل کے بغیر مطلقاً ذخیرہ اندوزی (احتکار) کو منع کیا گیا ہے۔ بعض مواقع پر خصوصیّت سے اشیاء خوردنی میں ذخیرہ اندوزی کی مذمّت ہے، امام ابوحنیفہؒ نے ایک ایسے تاجر کی حیثیّت سے جو لوگوں کی ضروریات سے بخوبی واقف تھے اور اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ بعض اشیاء ایسی ہیں کہ سال بھر اُن کی رسد برقرار رکھنے کے لیے ایک گونہ ذخیرہ اندوزی ضروری ہے اور شارع کا اصل منشاء سامانِ فروخت کے ذخیرہ کی ممانعت نہیں ہے بلکہ گاہکوں کے استحصال سے روکنا اور روزمرّہ کی زندگی میں ان کو دُشواریوں سے بچانا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہُوئے امام صاحب نے یہ رائے قائم کی کہ نہ ہر شئی میں احتکار ممنوع ہے اور نہ یہ ممانعت غذائی اشیاء تک محدود ہے، بلکہ عام انسانی ضروریات ــــــ جس کو آج کی زبان میں "اشیاء مایحتاج" کہا جاتا ہے ــــــ بھی اسی ممانعت میں داخل ہیں کہ اُن میں بھی احتکار اسی درجہ لوگوں کے لیے مشکلات اور دقتوں کا باعث ہے جتنا کہ اشیاء خوردنی میں۔

تجارتی قوانین میں اس طرح کی بہت سی جزئیات موجود ہیں، جو حضرت الامام کی دقتِ نظر، مقاصدِ شریعت کے فہمِ صحیح انسانی ضروریات سے آگہی، تاجروں کے مزاج سے واقفیت اور احتیاطی پیش بندی کا مظہر ہیں۔

---

[1] ابوحنیفہ ص۳۷۳

فقہ تقدیری

فقہ حنفی کا ایک بڑا احسان "فقہ تقدیری" ہے، فقہ تقدیری سے مراد ہے کہ مسائل کے پیش آنے سے پہلے ہی ممکن الوقوع مسائل کے حل کی طرف توجّہ دی جائے، فقہاء حجاز جو عقلی امکانات کے تفحص اور قیل وقال سے دُور اور سادہ طور پر مسائل کو سمجھنے اور رائے قائم کرنے کے خوگر تھے، اس طرح احکام کے استنباط کو مناسب تصوّر نہ کرتے تھے، فقہاء عراق جن کے یہاں دقیقہ سنجی، دُور بینی، طلب وتفحص اور شریعت کے روح و مقاصد میں غواصی کا رنگ غالب تھا "فقہ تقدیری" اُن کے مزاج میں داخل تھی اور وہ اس پر مجبور بھی تھے کہ مشرق کے علاقہ میں نئی نئی قوموں اور علاقوں کے مملکتِ اسلامی میں شمولیت کی وجہ سے وہ نو پید مسائل سے بمقابلہ فقہاء حجاز کے زیادہ دوچار تھے، اسی لیے فقہاء احناف کے ہاں فقہ تقدیری کا حصّہ زیادہ ہے اور افسوس کہ نصوص کے ظاہر پہ جمود اور اس کے دقیق مطالعہ اور رُوح و مقصد تک رسائی سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے بعض محدثین (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے امام ابوحنیفہؒ کے اس "ہنر کو عیب" سمجھ لیا ہے حالانکہ خود حدیث میں موجود ہے کہ جب آپؐ نے فتنہ دجّال کے ظہور اور اس زمانہ میں دن اور رات کے اوقات کی غیر معمولی وسعت کا ذکر فرمایا، تو صحابہ نے استفسار کیا کہ اس وقت نماز پنجگانہ کیونکر ادا کی جاسکے گی؟ غور کرو کہ یہ مسائل قبل از وقوع حل کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

فقہ تقدیری کے بارے میں فقہاء عراق اور فقہاء حجاز کے نقطۂ نظر کا فرق اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے جسے خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے کہ قتادہؒ جب کوفہ آئے تو غائب شخص کی بیوی اور اس شخص کے مہر کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور قتادہؒ کے درمیان گفتگو ہوئی ــــ قتادہؒ نے دریافت کیا کہ کیا کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ نے نفی میں جواب دیا، قتادہؒ نے کہا جب یہ واقعہ پیش نہیں آیا تو اس کے بارے میں دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ہم مسائل کے پیش آنے سے پہلے اس کی تیاری کرتے ہیں تاکہ جب مسائل پیش آجائیں تو ہم بآسانی اس سے عہدہ برآ ہو سکیں، "انا نستعدّ للبلاء قبل نزوله فاذا ما وقع عرفنا الدخول فيه والخروج منه"[1]

---

[1] تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۸

وفیات

۲ رمضان المبارک بروز جمعہ مفتی اعظم حضرت مولانا ولی حسن صاحب ٹونکی طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون حضرت مفتی صاحب موجودہ دَور کے صفِ اوّل کے علماءِ کرام میں سے تھے۔ ان کی قابلِ قدر دینی خدمات اخروی نجات اور بلندی درجات کا باعث ہوں گی انشاء اللہ مفتی صاحب رحمہ اللہ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا جلد پُر ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بلند درجات سے نوازے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ (ادارہ)

جامعہ کے قدیم بہی خواہ اور رُکن مجلسِ شوریٰ جناب ڈاکٹر سیّد افتخار الدّین صاحب مدظلہم کے ماموں گزشتہ دنوں مورّخہ ۱۷ مارچ ۱۹۹۵ء کو فیصل آباد میں مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

اظہارِ تشکّر

عزیزم سید مقصود میاں عرف ٹیپو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات حسرت آیات کے موقع پر اندرون و بیرون ملک سے دوست و احباب کی جانب سے بڑی تعداد میں تعزیتی خطوط موصول ہو رہے ہیں فرداً فرداً

دار الافتاء
جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد
مُدرّس و نائبِ مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

سوال: چند ماہ پیشتر بی۔بی۔سی نے اپنے ایک سروے کا اعلان کیا، اس میں بتایا گیا کہ پورے انگلستان میں مسلمانوں کی جو بھی حلال گوشت کی دُکانیں ہیں اُن سب میں صرف بیس فیصد (۲۰٪) حلال گوشت ہوتا ہے۔ باقی اسّی فیصد (۸۰٪) وہی ہوتا ہے جو انگریزوں کی دُکانوں میں ہوتا ہے۔ اس طرح گوشت کے تاجر مسلمان اپنے ہی مسلمانوں بھائیوں کو بیوقوف بنا کر غیر ذبیحہ گوشت کو حلال گوشت کے نام سے مہنگا فروخت کر کے خُوب فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

بد قسمتی سے ہم جیسے عام مسلمانوں کو صحیح اسلامی عقائد اور شریعت کے احکامات کا ذرّہ برابر علم نہیں ہے جس سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے اسلام دُشمن عناصر اور مفاد پرست مسلمان تاجروں نے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے مسلمان تاجروں کی حلال گوشت کی دُکانوں میں فروخت ہونے والے گوشت کے ذبیحہ وغیر ذبیحہ ہونے کو مشکوک کر دیا ہے۔ مثلاً BBC کے اس اعلان کے بعد انگلستان کی ایک تنظیم "مسلم پارلیمنٹ" کے سربراہ ڈاکٹر کلیم صدّیقی نے "حلال میٹ اتھارٹی" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ یہ ادارہ تمام انگلستان میں حلال گوشت کے مسلم تاجروں کو اپنا ممبر بنا کر بہت بڑے پیمانہ پر پُورے انگلستان میں حلال گوشت کی سپلائی کا انتظام کرنے کی کوشش میں مصروف ہے اپنے مقاصد میں کامیابی کے لیے ایک طرف تو یہ ادارہ مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پروپیگنڈہ کر کے ایسے دُکانداروں کو جو چند اختلافات کی وجہ سے اس ادارہ کا ممبر بننا پسند نہیں کرتے، انگلستان میں رہنے والے مسلمانوں کی نظروں میں مشکوک کر رہے ہیں اور دوسری طرف ایسے پروپیگنڈوں کے ذریعہ تمام

دکانداروں کو ممبر بننے کے لیے مجبور کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جو دکاندار اس ادارہ کے ممبر بننے کے لیے تیار نہیں وہ اپنے گاہکوں کو اس ادارہ کے خلاف بھی کچھ اس قسم کے پروپیگنڈے سے متأثر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ "حلال میٹ اتھارٹی" کے منتظم حضرات اور حلال گوشت کے دکاندار حضرات دونوں ہی یہ دعوے کر رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور عین اسلامی شریعت کے مطابق ذبیحہ حلال گوشت اپنے اپنے مسلمان گاہکوں کو فروخت کر رہے ہیں۔ اس صورتِ حال نے ہم عام مسلمانوں کو سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلم دکاندار کی نیت پر شک کیا جائے یا گوشت کھانا چھوڑ دیا جائے۔ جبکہ کسی مسلمان کی نیت پر شک کرنا مناسب نہیں لگتا۔ اس سلسلہ میں میں نے حلال گوشت فروخت کرنے والے ایک پاکستانی مسلمان سے مندرجہ بالا صورتِ حال کی وضاحت کرنے کے لیے کہا۔ اس کا کہنا ہے کہ "حلال میٹ اتھارٹی" کے منتظم حضرات کی نیت ٹھیک نہیں۔ یا تو ان حضرات میں سے کوئی شخص یا اُن کا جاننے والا کوئی دولت مند شخص اس ادارے کی آڑ لے کر پورے ملک میں حلال گوشت کی فائدہ مند تجارت کو بڑے پیمانے پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ ثبوت کے طور پر اس دکاندار نے کہا کہ "حلال میٹ اتھارٹی" کی دعوت پر تمام دکاندار ایک میٹنگ میں شریک ہوئے جس میں اس ادارے نے تمام دکانداروں سے کہا کہ وہ سب اس ادارے کے ممبر بنیں۔ شرائط یہ ہوں گی کہ ادارہ تمام ممبر دکانداروں سے ۲۵۰ پونڈ ممبر شپ کی فیس لے گا اور اس کے علاوہ ہر دکاندار سے فروخت ہونے والے تمام گوشت پر ایک مقررہ فیصدی رقم جو کہ قیمتِ فروخت پر ہوگی۔ وصول کرے گا۔ یہ رقم ادارہ کی طرف سے جانوروں کو ذبح کرنے اور ممبر دکانداروں کے ہاں حلال گوشت کی فروخت کی تصدیق کرنے کے لیے اپنے انسپکٹروں کی تقرری پر خرچ کی جائے گی۔ یہ شرائط تمام دکانداروں کو منظور تھیں، لیکن دوسری شرط یہ تھی کہ ادارہ کا مقرر کردہ مذبحہ خانہ ہی تمام ملک کے دکانداروں کو حلال گوشت سپلائی کرے گا اس پر زیادہ تر دکاندار تیار نہیں۔ اکثر دکانداروں کا کہنا ہے کہ ادارے کو چاہیے کہ اپنے انسپکٹروں کو ہر اس مذبحہ خانہ میں تصدیق کے لیے بھیجے جہاں دکانداروں نے یا اُن کے ہول سیل سپلائر نے اسلامی شریعت کے عین مطابق ذبح کرنے کا انتظام کیا ہوا ہے۔ چونکہ یہ بات ادارہ ماننے کے لیے تیار نہیں اس لیے ان دکانداروں کو اس ادارہ کے منتظم حضرات کی نیت پر شک ہے کہ یہ حضرات موجودہ صورتِ حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی شریعت کی آڑ میں کسی بڑے تجارتی ہاتھ کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔

اس مسلمان دکاندار کا دعویٰ ہے کہ وہ سو فیصد اسلامی شریعت کے مطابق ذبح کیا ہوا حلال

گوشت فروخت کر رہا ہے اور یہ کہ اگر کسی مُسلمان گاہک کو شک ہے تو وہ اس کا انتظام کردے گا کہ اس کا گاہک خود جاکر مذبحہ خانہ میں بچشم خود تصدیق کر لے۔ اس طرح وہ تمام دُکاندار جو "حلال میٹ اتھارٹی" کے ممبر نہیں ہیں مُسلمان ہونے کا اور حلال گوشت فروخت کرنے دعوٰی کرتے ہیں۔

ایسی صُورتِ حال میں انگلستان میں رہنے والے مُسلمانوں کے لیے شرعی احکامات کیا ہیں؟ برائے مہربانی اس سلسلہ میں وضاحت کے ساتھ اپنا بیان دے کر ہماری رہبری فرمائیں۔ مندرجہ ذیل چند سوالات جو میرے اور چند دوست و احباب کے ذہن میں ہیں کے جوابات دے کر ہماری رہبری فرما دیں۔

۱ "حلال میٹ اتھارٹی" کے منتظم حضرات اور اس کے ممبر دکاندار اور غیر ممبر دُکاندار سب ہی مسلمان ہیں۔ سب ہی اسلامی شریعت کے مطابق ذبح کیا ہُوا حلال گوشت بیچنے کے دعویدار ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے ہم مُسلمانوں کی نظر میں مشکوک ہو گئے ہیں۔ ایسی صُورت میں ہمارے لیے شرعی احکامات کیا ہیں؟ ان میں سے کس سے گوشت خرید کرنا جائز ہے؟ یا گوشت کھانا چھوڑ دیں۔

۲ اکثر دوست واحباب کا خیال ہے کہ یہودی کا کوشر میٹ کھانا جائز ہے۔ کیا مُسلمان دُکاندار کی موجودگی میں یہودی کا کوشر میٹ جائز ہے؟ ویسے کوشر میٹ کھانا جائز بھی ہے کہ نہیں؟

۳ مُسلمان دوست واحباب کے ہاں دعوت وغیرہ میں گوشت کھانا جائز ہے کہ نہیں جبکہ ہمیں نہیں معلوم کہ اُس نے گوشت کہاں سے خریدا؟ کسی مُسلمان سے لیا یا مشکوک ہو کر اکثر لوگوں کے نظریہ کے مطابق یہودی کا کوشر میٹ کھانا شروع کر دیا! کیا ایسی دعوت میں مُسلمان میزبان سے دریافت کرنا ضروری ہے کہ گوشت حلال ہے کہ نہیں!

۴ اکثر لوگ بحث کرتے ہیں کہ پاکستان میں بھی صحیح طریقہ سے جانور ذبح نہیں کیا جاتا۔ مذبحہ خانے میں جاہل اور اَن پڑھ قصائی جانور کو ذبح کرتے وقت تکبیر پڑھنے کے بجائے آپس میں گالی گلوچ میں مصروف رہتے ہیں۔ یا چُھری پر ایک دفعہ تکبیر پڑھ کر پھونک دیتے ہیں اور پھر بغیر تکبیر کے سارے جانور ذبح کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ حلال جانور کا گوشت صرف اللہ اکبر پڑھ کر کھا لینا جائز ہے چاہے انگریز کی دُکان سے لیں (اہل کتاب کی)، مذہب اسلام سے لاعلمی کی بنا پر یہ کس قدر افسوس ناک نظریہ ہے اس سلسلہ میں بھی یعنی عام مذبحہ خانوں میں اس طرح ذبح کرنے پر گوشت کے حلال اور مُردار یا حرام ہونے کی وضاحت فرما دیں۔ احقر: خواجہ فضل الحسن غوری (نبیرہ: حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری (برطانیہ)

الجواب باسم ملھم الصواب حامدا و مصلیا

۱۔ گوشت کی حلت و حرمت کا تعلق دیانات سے ہے اور دیانات میں خبرِ واحد کے بارے میں مندرجہ ذیل قواعد و ضوابط ہیں۔

(i) دیانات محضہ میں کافر کا قول قبول نہیں

لا یقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذٍ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات فیقبل قوله فیها ضرورة (عالمگیری ص ۳۰۸ ج ۵)

اسی لیے بی بی سی کا سروے کرنے والے اگر کافر ہوں تو اُن کی بات قابلِ اعتبار نہیں۔

(ii) جب کوئی دین دار گناہوں سے پرہیز کرنے والا ثقہ مُسلمان خبر دے کہ یہ گوشت حلال اور اسلامی ذبیحہ ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

خبر الواحد یقبل فی الدیانات کالحل والحرمة والطهارة والنجاسة اذا کان مسلما عدلا ذکرا أو أنثی حرا أو عبدا۔ (عالمگیری، ص: ۳۰۸، ج:۵)

(iii) جب کوئی فاسق یا مستور الحال گوشت کی حلت یا حرمت کی خبر دے تو تحری یعنی غور و فکر کریں گے اور جس طرف غالب گمان یا رجحان ہو اس کے مطابق عمل کریں گے۔

والظاهر انه رای المستور کالفاسق حتی یعتبر فی خبره فی الدیانات اکبر الرای کما فی خبر الفاسق لظهور الفساد فی زماننا (تبیین الحقائق ص ۱۳ ج ۲)

(iv) اگر کسی خاص گوشت کے بارے میں ایک ثقہ کہے کہ یہ حلال ہے اور دوسرا ثقہ کہے کہ یہ حرام ہے تو خریدنے کی گنجائش ہے البتہ احتیاط بہتر ہے۔

اذا اراد ان یشتری لحما فقال له خارج عدل لا تشتر فانه ذبیحة مجوسی وقال القصاب اشتر فانه ذبیحة مسلم والقصاب ثقة فانه تزول الکراهة بقول القصاب علی قول ابی جعفر وعلی قول غیره من المشائخ لا تزول (ص ۳۰۹ ج ۵ عالمگیری)

(v) اگر ایک طرف ثقہ ہو اور دوسری طرف فاسق ہو تو ثقہ کی بات پر عمل واجب ہوگا۔

رجل دخل علی قوم من المسلمین یاکلون طعاما ویشربون شرابا فدعوه الیه فقال له رجل مسلم ثقة قد عرفه هذا اللحم ذبیحة المجوسی وهذا الشراب قد خالطه الخمر

وقال الذین دعوہ الی ذلک الامر کما قال بل ھو حلال فانہ ینظر فی حالھم فان کانوا عدولا ثقات لم یلتفت الی قول ذلک الرجل الواحد ـــــــــ

وان کانوا متھمین اخذ بقولہ ولم یسعہ ان یقرب شیئا من ذلک الطعام والشراب (ص ۳۰۹ ج ۵ عالمگیری)

(۷) اگر دو فاسقوں یا مستور الحال میں اختلاف ہو جائے تو تحری پر عمل کیا جائے گا۔

۲ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں کوشر (KOSHER) سے متعلق جو تفصیل درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا ذبیحہ جائز ہے۔ لیکن غیرتِ ملّی کا بھی کچھ تقاضا ہے۔ یہ غیرت ملّی کے خلاف ہے کہ مسلمان اپنے طریقے سے لاتعلق ہو جائیں اور کافروں کو اپنے اوپر طعن کا موقع دیں۔ اتفاقیہ KOSHER گوشت کا استعمال اور چیز ہے لیکن تمام یا بہت سے مسلمان اسی کے استعمال کو اختیار کر لیں یہ مناسب نہیں۔

۳ اگر قرائن وحالات سے معلوم ہو کہ میزبان حلال وحرام کی تمیز نہیں کر پایا ہوگا تو میزبان سے پوچھا جائے اور پھر مذکورہ بالا ضوابط کے مطابق عمل کیا جائے۔

۴ یہاں تو ایسی کوئی بات سننے میں نہیں آئی اور اپنا مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے۔

حلال جانور اگر شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو تو وہ حرام ہو جاتا ہے مُردار کی مثل۔ تو جیسے مُردار کو بسم اللہ پڑھ کر نہیں کھا سکتے ایسے ہی غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا ہوا بھی بسم اللہ پڑھنے سے حلال نہیں ہو جائے گا۔

نوٹ: اصل مسئلہ تو لکھ دیا، لیکن اس بات کی ضرورت ہے کہ بھرپور کوشش کی جائے کہ مسلمان آپس کا اختلاف ختم کر کے شرعی طریقوں کو اختیار کریں۔ اس میں اگر کسی ایک پارٹی کو دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو کیا حرج ہے۔ مسلمانوں کے اخلاص نیت پر اللہ تعالیٰ انشاء اللہ خیر کی صورتیں پیدا فرمائیں گے۔ اگر اختلاف ختم نہ ہو تو ہر علاقے والے اپنے مذبحہ کا معائنہ کر کے اطمینان کر لیں کہ کوئی باشعور مسلمان جانور کو شرعی طریقے پر ذبح کرتا ہے اور وہی اُن کو مہیا کیا جاتا ہے اور اس پر وہ مسلسل نظر رکھیں۔

فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالواحد غفرلہٗ

سوال: کیا کوئی مسلمان جس کا انگلینڈ میں ہوٹل ہو۔ اپنے ہوٹل میں سور کا گوشت بیچ سکتا ہے؟ جبکہ پوری بستی میں سوائے اُن مالکانِ ہوٹل کے اور کوئی مسلمان ہی آباد نہ ہو، پکانے والے کھلانے والے اور کھانے والے سب غیر مسلم ہوں۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سور نجس العین ہے اس کی بیع و شراء خواہ کسی نہج پر ہو اصالتاً و نیابتاً ہر طرح سے حرام ہے اس لیے مسلمان اس کی بیع و شراء میں کسی کافر سے بھی کام نہیں لے سکتا۔ فقط

عبدالحمید غفرلہٗ

جامعہ مدنیہ لاہور، ۲۶ شوال المکرم ۹۵ھ

بقیہ: سیرتِ مبارکہ

بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع دیتے۔ آپ تشریف لاتے، نماز جنازہ پڑھاتے پھر کبھی واپس تشریف لے جاتے اور کبھی دفن ہونے تک وہاں تشریف رکھتے۔ پھر ہمیں محسوس ہوا کہ آپ کو اس میں بھی زحمت ہوتی ہے تو یہ طے کر لیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تکلیف نہ دی جائے گی بلکہ جنازہ لے کر خود آپ کی خدمت میں پہنچ جایا کریں گے، چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ جب جنازہ لے کر کاشانۂ نبوت پر پہنچتے تو قریب ہی ایک جگہ تھی وہاں آپ نماز پڑھاتے۔ پھر یہی معمول ہوگیا کہ اسی خاص جگہ پر نمازِ جنازہ پڑھائی جاتی تھی حتّٰی کہ اُس جگہ کا نام ہی موضع الجنائز پڑ گیا[1]

---

[1] طبقات ابن سعد ص۱۲ جلد اوّل قسم ثانی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معمول یہی تھا کہ موضع الجنائز میں نماز پڑھایا کرتے تھے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلّی والمسجد میں پیش کی ہیں ص۱۷۷ اگر بعض مرتبہ کسی عارض کی وجہ سے مسجد میں بھی نماز پڑھ لی ہے (فتح الباری ص۱۵۵ ج۳ باب مذکور) اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی خاص ضرورت کے بغیر مسجد میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ جائز قرار دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

محمد عابد
متعلم جامعہ مدنیہ

اخبار الجامعۃ

○ اس ماہ صاحبزادۂ محترم سیّد مقصود میاں کی وفات پر تعزیّت کے سلسلہ میں کثیر تعداد میں علماء وزعماءِ ملّت جامعہ تشریف لائے اور مولانا سیّد رشید میاں صاحب و مولانا سیّد محمود میاں صاحب سے تعزیّت کی۔

○ ۹ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ ۱۱ مارچ ۱۹۹۵ء بروز ہفتہ سے جامعہ میں نئے تعلیمی سال ۱۶-۱۴۱۵ھ کے داخلے شروع ہوئے۔ اور ۲۰ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ ۲۲ مارچ ۱۹۹۵ء بروز بدھ سے جامعہ میں تعلیم کا آغاز ہوگیا اُس روز صبح ساڑھے سات بجے جامعہ کی مسجد میں حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب مدظلہم کی زیرِ صدارت افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ تقریب کا آغاز شعبۂ تجوید کے مدرّس قاری محمد ادریس صاحب کی تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد جامعہ کے نائب مہتمم حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب نے طلبہ سے خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔

> "اس وقت دُنیا میں علماء حق اور طالبانِ حق جس مشکل سے دوچار ہیں اس سے نکلنے کا واحد راستہ وہی ہے جس کے لیے آپ لوگ اپنے گھر سے نکلے ہیں اور جامعات کا رُخ کیا ہے یہ معمولی کام نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی خدمت ہے اگر اس عمل میں خلوصِ نیت بھی شامل ہو کر رضاء خداوندی مقصود ہو تو یہ بہت بڑا شرف ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان اس سے بہتر عمل کوئی نہیں یہ ایک دوڑ ہے ایک مقابلہ ہے خیر کے حاصل کرنے کا جس کی جتنی اچھی نیت ہوگی اور جتنا اللہ کے ساتھ تعلق ہوگا، وہ اسی قدر آگے نکل جائے گا چاہے وہ اُستاد ہو چاہے وہ شاگرد ہو خلوصِ نیت ہر ایک کے لیے شرط ہے، دُنیا میں آپ کو کامیابی ہو نہ ہو کوشش کے ہم مکلّف ہیں۔ کوشش کرتے رہیں نتائج اللہ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھے ہیں۔ آخرت کی کامیابی بہرحال ہوگی انشاءاللہ کوشش کریں کہ ایک لمحہ بھی آپ کا ضائع نہ ہو اور سمجھیں کہ ہمارا مقابلہ بہت بڑی باطل قوّت سے ہے جس میں پسپائی ہمارا خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دُنیا و آخرت کی رسوائی سے محفوظ فرمائے اور اپنے ہاں سرخرو فرمائے، اور

ہمارا حامی و ناصر ہو۔"

اس کے بعد نائب مفتی مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نے مختصراً بیان کیا۔آپ نے فرمایا۔

"ہم چونکہ طالب علم ہیں اور ہمارا مقصد تعلیم حاصل کرنا ہے تو ہمیں چاہیے کہ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھیں اس سے غفلت نہ برتیں۔تعلیم کے آداب کو مدِّ نظر رکھیں اس پر عمل پیرا ہوں۔ مدرسہ میں جب ہم داخلہ لیتے ہیں تو اس بات کے ہم پابند ہوتے ہیں کہ مدرسہ کے نظم اور تعلیم کے اُصولوں کا لحاظ رکھیں۔ اس دوران کسی ایسی تحریک سے اور ایسے اعمال سے جو ہمارے اس مقصد میں رکاوٹ بنیں۔ ان سے پرہیز کریں خواہ وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں۔ اسباق میں پابندی سے حاضر ہوں اسباق صحیح طرح سے یاد کریں کیونکہ جو فضائل و مناقب قرآن و احادیث میں آئے ہیں وہ ایسے ہی حاصل نہیں ہوں گے کہ مدرسہ میں داخلہ لےکر اوقات کو تعلیمی مشاغل کے علاوہ دوسرے مشاغل میں صرف کریں بلکہ تعلیم کے اوقات میں تعلیم کو اُس کے اُصول و آداب کے ساتھ حاصل کریں۔ اس کے بعد ہی اس فضیلت کے مستحق ہوں گے لہٰذا علم کے آداب، علم کے طریقے اور علم کے تقاضے ان سب کو پُورا کرتے ہُوئے اپنا وقت گزاریں"۔

ڈاکٹر صاحب کے بیان کے بعد جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب مدظلہم نے تفصیل سے بیان فرمایا اور بیان کے بعد دُعا فرمائی۔

○ جامعہ کے نائب مہتمم حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب ۲۱ شوال المکرم ۲۳ مارچ بروز جمعرات جناب قاری شریف احمد صاحب مدظلہ العالی خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے پوتے جناب تنویر احمد شریفی صاحب کے ولیمہ مسنونہ میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لے گئے اور ۲۵ مارچ کو واپس تشریف لے آئے۔

❁

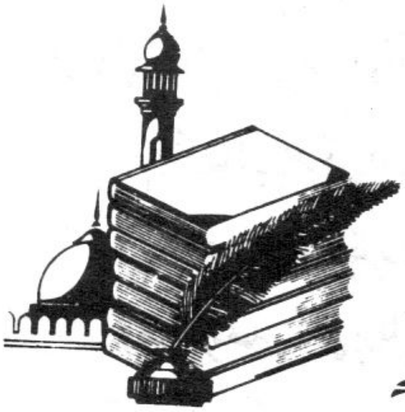

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : دروس الحدیث (جلد سوم)
افادات : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم
مرتّب : الحاج لعل دین ایم۔اے
صفحات : ۳۹۲
ناشر : مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت : ۹۰/=

گزشتہ شمارہ میں دروس الحدیث کی دوسری جلد پر تبصرہ شائع ہوچکا ہے، اس وقت ہمارے سامنے دروس الحدیث کی تیسری جلد ہے، اس جلد میں مسندِ امام احمدؒ کی دو سو ستر ۲۷۰ احادیث مُبارکہ کی ترجمہ کے ساتھ تشریح بیان کی گئی ہے۔ یہ احادیث مُبارکہ مختلف موضوعات سے متعلق متعدّد صحابۂ کرام سے مروی ہیں اور زندگی کے بہت سے اہم شُعبوں پر حاوی ہیں۔ حضرت صُوفی صاحب دامت برکاتہم کا اندازِ بیان چونکہ انتہائی عام فہم اور دِل نشین ہوتا ہے، اس لیے آپ کی ہر کتاب پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور قدرتی طور پر اُسے وہ پذیرائی حاصل ہوتی ہے جو کم ہی کسی کے نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت صوفی صاحب کو تا دیر بعافیت سلامت رکھے تاکہ آپ کے افادات علمی دُنیا میں اضافہ کا سبب اور عوام النّاس کی ہدایت کا ذریعہ بنتے رہیں۔

نام کتاب : اللہ کے آخری رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم۔
مصنّف : خواجہ عابد نظامی۔

صفحات : ۱۷۶

سائز : ۳۶×۲۳/۱۶

ناشر : مکتبہ درویش ۵۴ عبدالکریم روڈ قلعہ گوجر سنگھ لاہور

قیمت : ۶۰/=

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اس قدر متنوع گوشوں پر مشتمل ہے کہ اُن کا احاطہ کرنا اور صفحۂ قرطاس پر لانا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسی لیے شیخ سعدی علیہ الرحمہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے۔

؎ لَا یُمْکِنُ الثَّنَآءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سیرت نگاری کے لیے علم کی وسعتوں کے ساتھ ساتھ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے مالامال ہونا ازحد ضروری ہے، بہت سے خاصانِ خدا ایسے گزرے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں نعمتوں سے نواز کر سیرت نگاری کی سعادت بخشی ہے، اور تا ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے، اپنے اپنے انداز میں آپ کی عقیدت سے سرشار حضرات آپ کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی اسی مبارک سلسلہ کی ایک خوب صورت کڑی ہے۔ اس کے مصنف کہنہ مشق صحافی اور نعت گو شاعر ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی ہیں، آپ نے اس مختصر کتاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ انتہائی دلکش انداز میں پیش فرمایا ہے، طرزِ تحریر آسان اور اندازِ بیان پُرکشش ہے، اسے پڑھنا شروع کریں تو ختم کیے بغیر طبیعت سیر نہیں ہوتی، راقم الحروف نے کتاب پڑھتے ہوئے چند کمیاں محسوس کی ہیں، اگر مؤلف محترم آئندہ ایڈیشن میں اُن کا ازالہ فرمائیں تو انشاء اللہ کتاب کا حسن دوبالا ہوگا۔

(۱) ہر صفحہ کے اُوپر انتہائی خوبصورت انداز میں جلی قلم سے آخری رسول لکھا ہوا ہے اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کا اضافہ ضروری ہے۔

(۲) کتاب میں جگہ جگہ آپ کی ذات گرامی کے لیے لفظ حضور استعمال ہوا ہے اس کے ساتھ بھی درودِ پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اضافہ کیا جانا چاہیے۔

(۳) بہت سے مقامات پر درود شریف کے لیے صرف علامت (ؐ) استعمال کی گئی ہے، یہ بھی

مناسب نہیں۔ اس کی جگہ پُورا درُود شریف ذکر کرنا چاہیے۔

(۴) کتاب میں بہت سے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے اسماءِ گرامی آئے ہیں لیکن اُن کے ساتھ دُعائیہ کلمہ رضی اللہ عنہ درج نہیں، یہ ضرور درج ہونا چاہیے۔ اُمید ہے دوسرے ایڈیشن میں ضرور یہ کمیاں پُوری کر دی جائیں گی۔

بہرحال مجموعی طور پر کتاب اپنے موضوع پر ایک عمدہ کوشش ہے جو حسنِ معنوی کے ساتھ ساتھ حُسنِ ظاہر سے بھی آراستہ ہے، گرد پوش انتہائی حسین، عُمدہ کتابت ڈبل کلر طباعت خُوب صُورت کاغذ اور انتہائی مناسب قیمت ہے۔ شائقین اس سے ضرور استفادہ فرمائیں۔

نام کتاب : چراغ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مصنّف : حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی دامت برکاتہم

صفحات : ۶۲۴

سائز : $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۸}$

ناشر : دارالارشاد، مدنی روڈ اٹک شہر

قیمت : ۳۰۰/-

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت اُن نادرۂ روزگار شخصیات میں سے ہے جو جامع الصفات اور گوناں گوں خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن صفات اور خصوصیات سے نوازا ہے اس دَور میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیّب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی کچھ صفات و خصوصیات کا نقشہ کھینچا ہے، فرماتے ہیں۔

"وقار میں کوہِ گراں، تواضع میں مشتِ خاک، دلداری میں لطیف پانی، بغض فی اللہ میں آتشِ مجسّم، سخاوت میں باریک ہوا، شجاعتِ قلب میں آہن، بھاری بھرکم ہونے میں وزندار قطعۂ زمین اور خودداری میں بلند آسمان، مجلس میں جلوت میں نمایاں، خلوت میں پنہاں، قلب میں سب سے الگ قالَب میں سَب کے ساتھ، عالِم جلوت نشین، صوفیِ خلوت نشین، مدرسہ میں مدرس، خانقاہ میں شیخ، سیاست میں سپاہی، میدان میں مردِ مجاہد فقیروں میں درویش، عوام میں لیڈر، خواص میں مقتدا، وزراء میں مشیر، غرض ہر میدان

میں امتیازی شان کے ساتھ موجود مگر سب شانوں میں تعلّق مع اللہ بدستور اور خلوت دَر انجمن کے صحیح مصداق۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کی شخصیّت اس قابل ہے کہ اس پر جس عنوان سے بھی لکھا جائے کم ہے خدا کی شان ہے آپ کی حیات سے لے کر تا ہنوز آپ پر لکھنے کا عمل جاری ہے ہر ایک اپنے ذوق اور معلومات و واردات کے مطابق لکھ رہا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک عظیم کاوش زیرِ نظر کتاب "چراغِ محمد" ہے جو حضرت مولانا قاضی محمّد زاہد الحسینی دامت برکاتہم نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ ترتیب دی ہے، موصوف حضرت شیخ الاسلام کے شاگرد و مسترشد، بارگاہِ مدنی سے براہِ راست فیض یافتہ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں آپ پہلے بھی مختلف رسائل و جرائد میں حضرت شیخ الاسلام کی شخصیّت سے متعلّق مضامین لکھتے رہے ہیں، حال میں آپ نے حضرت کی سوانح سے متعلّق یہ ضخیم کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کا تاریخی نام "چراغ محمّد" ہے اس نام کی مناسبت سے حضرت قاضی صاحب نے اپنی اس تالیف کا نام بھی چراغ محمّد رکھا ہے۔

اس کتاب کو حضرت قاضی صاحب نے دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے، پہلے حصّہ میں آپ نے ہندوستان پر انگریزوں کے غاصبانہ قبضہ کی رُوح فرسا داستان، اس کے خلاف مجاہدینِ اسلام کی قُربانیاں، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خاندانی حالات آپ کی پیدائش، تعلیم و تربیت، بیعت و سلوک، مدینہ طیّبہ میں قیام، اسارتِ مالٹا، دار العلوم دیوبند میں تدریس، استخلاصِ وطن کی تحریک اور ان کے علاوہ دیگر اُمور سے متعلّق تفصیلات درج کی ہیں اور دوسرے حصّہ میں حضرت شیخ الاسلام کے اوصافِ حمیدہ، عادات و خصائل، کشف و کرامات نیز آپ کے مکتوبات کی افادیّت و حیثیّت کے متعلّق تفصیل درج فرمائی ہے۔

اسی حصّہ میں آپ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلاف علّامہ اقبال مرحوم کے حوالہ سے جو زہر اُگلا جارہا ہے اُس کی حقیقت کو بھی طشت از بام کیا ہے اور پروفیسر یُوسف سلیم چشتی جو ایک زمانہ میں حضرت شیخ الاسلام کے بدترین معاندین میں سے تھے اُن کا توبہ نامہ بھی ذکر کیا ہے۔

الغرض حضرت شیخ الاسلام کی سوانح کے حوالہ سے یہ کتاب انتہائی قیمتی معلومات سے پُر ہے، کتابت و

---

[1] چراغ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم ص ۱۲

طباعت عمدہ ہے، ڈائی دار جلد کے ساتھ مزیّن ہے، البتّہ قیمت تین سو روپے ہونے کی وجہ سے ممکن ہے حضرت شیخ الاسلام کے بہت سے پرستار اشتیاق کے باوجود اس کی خریداری سے محروم رہ جائیں اگر اس کی قیمت کچھ کم کر دی جائے تو بہتر ہے تاکہ غریب طبقہ کے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

نام کتاب : التسہیل الضروری لمسائل القدوری (عربی)

تالیف : مولانا عاشق الٰہی مدنی دامت برکاتہم

صفحات : ۳۱۸

ناشر : مکتبہ اصلاح وتبلیغ مارکیٹ ٹاور حیدر آباد

قیمت : ۶۶/=

شیخ ابو الحسین احمد بن محمد بن احمد بن جعفر بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۲۸ھ) کی کتاب "مختصر القدوری" فقہ حنفی کی ایک مایہ ناز کتاب ہے جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو انتہائی جامعیت اور سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے، یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود اکابر علماء کی توجہات کا مرکز بنی رہی ہے اس کی افادیت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب مولانا علاؤ الدین اُصولی سے سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔ جب آپ کتاب ختم کر چکے تو مولانا اُصولی نے آپ کے سر پہ دستارِ فضیلت باندھ دی تھی، عرصہ سے یہ کتاب داخلِ درس ہے، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب دامت برکاتہم نے "مختصر القدوری" کے مسائل کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سوال وجواب کی شکل میں مرتب فرما کر "التسہیل الضروری لمسائل القدوری" کے نام سے شائع فرمایا ہے آپ کے اس عمل سے ایک تو کتاب انتہائی آسان ہوگئی ہے۔ دوسرے کتاب سے مسائل کا استخراج سہل ہوگیا ہے پُوری کتاب دو حصّوں میں ہے پہلا حصّہ مکتبہ اصلاح وتبلیغ سے شائع ہو کر مناسب قیمت پر مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

○

نام کتاب : فضائلِ تہجد

مصنّف : مولانا مفتی مظفر حسین صاحب

صفحات : ۱۲۰

ناشر : مکتبہ اصلاح وتبلیغ مارکیٹ ٹاور حیدر آباد

قیمت : ۲۲/=

نفلی نمازوں میں تہجد کی نماز ایک انتہائی اہم نماز ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

"شب بیداری کو لازم پکڑو کہ یہ تم سے پہلے نیک و صالح لوگوں کا طریقہ، تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور کفارۂ سیآت ہے۔"

تہجد کی نماز کی اہمیت کے لیے یہ واقعہ بہت کافی ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کو وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو سوال کیا حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ آپ نے فرمایا فَنِيَتِ الْحَقَائِقُ وَالْاِشَارَاتُ وَ نَفِدَتِ الرُّمُوْزُ وَالْعِبَارَاتُ، وَمَا نَفَعَنَا اِلَّا رُكَيْعَاتٌ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔

یعنی سارے علوم وحقائق وغیرہ فنا ہو گئے، یہاں کچھ کام نہ آئے، اگر کچھ کام آئیں تو صرف وہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں کام آئیں جو میں آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا۔ یعنی تہجد" [1]

زیرِ نظر رسالہ میں مفتی مظفر حسین صاحب نے فضائلِ تہجد سے متعلق آیات کریمہ اور احادیثِ مبارکہ کو ترجمہ وتشریح کے ساتھ جمع فرمایا ہے، ساتھ ہی بہت سے ائمہ ومشائخ رحمہم اللہ کے معمولات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ رسالہ کو پڑھ کر تہجد پڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو رسالہ کا اصل مقصود ہے، یہ مختصر رسالہ انتہائی معمولی قیمت پر مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ قارئین ضرور اس سے استفادہ فرمائیں۔

(ن - ا)

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اجراء اور اسکے استحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

انوار مدینہ

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے

[1] الافاضات الیومیة، ج: ۷، ص: ۲۸۶، احیاء العلوم عربی، ج: ۴، ص: ۵۰۸۔